www.urducouncil.nic.in

भारत 2023 INDIA

اکتوبر 2023، قیمت :- ₹10

ماہنامہ

بچوں کی دنیا

نئی دہلی

Monthly **BACHON KI DUNIYA**, New Delhi

چاند پر جو اترا ہے چندریان اپنا ہے

بچوں کے قلمکاروں کے لیے سوالنامہ

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' میں بچوں کے قلمکاروں سے انٹرویوز کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے تاکہ بچوں کو قلمکاروں اور کتابوں کے بارے میں معلومات کے ساتھ ساتھ اپنا مستقبل اور کریئر بہتر بنانے کے لیے نئی روشنی اور نئی راہ بھی مل سکے۔ یہ ادارے کی طرف سے تیار کردہ سوالات ہیں، ان کے جوابات ادب اطفال سے جڑا ہوا کوئی بھی قلمکار دے سکتا ہے۔

1 بچپن کی کون سی باتیں/شوخیاں/شرارتیں اب بھی آپ کو بہت یاد آتی ہیں؟
2 بچپن میں آپ کے پسندیدہ مصنّفین کون تھے اور اب کون ہیں؟
3 بچپن میں کس کتاب نے آپ کو سب سے زیادہ متاثر کیا؟
4 بچپن میں بچوں کے کون سے رسائل آپ پڑھتے تھے؟
5 بچوں کے ذہنی اور فکری ارتقا کے لیے کون سی کتابیں زیادہ مفید ہیں؟
6 زبان و بیان کو بہتر بنانے کے لیے کن مصنّفین کی کتابیں بچوں کے لیے رہنما ثابت ہوسکتی ہیں؟
7 مستقبل اور اپنے کریئر کو سنوارنے کے لیے بچوں کو کن موضوعات اور کتابوں کا مطالعہ کرنا فائدہ مند ثابت ہوگا؟

---

8 اپنے سوانحی اور تعلیمی کوائف کے بارے میں کچھ بتائیں؟
9 آپ کو بچوں کے لیے لکھنے کا خیال کب اور کیسے آیا؟
10 آپ کی پہلی تخلیق، کب اور کس رسالے میں شائع ہوئی؟
11 آپ کے مرکزی موضوعات کیا ہیں؟
12 کتاب لکھنے سے پہلے آپ بچوں کی نفسیات اور ذہنی مطالبات پر ریسرچ کرتے ہیں یا نہیں؟
13 بچوں کے لیے لکھتے ہوئے آپ کو کس طرح کی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے؟
14 ادیب اطفال کی حیثیت سے ادبی اور علمی حلقے میں آپ کی قدر ہوتی ہے یا نہیں؟
15 کیا آپ اب بھی بچوں کے لیے لکھی گئی کتابیں پڑھتے ہیں؟
16 انگریزی اور دیگر زبانوں میں شائع ہونے والے کون سے رسالے بچوں کے لیے مفید ثابت ہوسکتے ہیں؟
17 کیا اردو میں بچوں کے لیے انگریزی، تیلگو اور دیگر زبانوں جیسا شائع ہونے والا کوئی مکمل رسالہ موجود ہے؟
18 بچوں کے ادب پر جو رسائل شائع ہو رہے ہیں، ان کے مواد اور زبان و بیان سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟
19 معاصر ادب اطفال سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟
20 بچوں کے لیے لکھتے ہوئے آج کے دور میں کن موضوعات پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے؟
21 بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے کچھ مفید تجاویز اور مشورے!
22 ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' میں آپ کس نوع کی تبدیلی چاہتے ہیں؟
23 بچوں کے لیے آپ کا کوئی پیغام!

* جوابات کے ساتھ پاسپورٹ سائز تصویر اپنی کتابوں کا عکس ضرور ارسال کریں۔

اس شمارے میں

اداریہ	مدیر	04
ڈاک خانہ	قارئین	05
چندریان - 3		
چاند پہ اترا ہندوستان	ارشد مینانگری	07
چندریان مشن کی کامیابی	نایاب حسن	08
چاند پر جو اترا ہے چندریان اپنا ہے	محمد عادل	11
مضامین		
آدم خور	مصطفی ندیم خاں غوری	12
وقت کا صحیح استعمال	یوسف رامپوری	17
سائنس کیا ہے؟	سید شمیم احمد مدنی	20
اخلاقیات کے مقاصد	چودھری قیصر جہاں	22
نظمیں		
دنیا میں اہل علم کا ہوتا ہے احترام	حافظ کرناٹکی	25
تین مصرعوں کی مختصر نظم 'ثلاثی'	عزیز انصاری	26
پانی کی کہانی	شارق اعجاز عباسی	27
گھی اور شکر	امان الحق بالاپوری	28
اپنے گھر میں شجر لگانا ہے	غلام معین الدین	29
بچے	محمد وزیر عالم	30
ڈانٹ ڈپٹ	فہیم احمد	31
شیر کی خالہ	احسان عالم	32
ماں	علی شاہد دلکش	33
انٹرویو		
بچوں کو صحیح زبان سیکھنے پر توجہ دینی چاہیے	ممتاز انور	34
کہانیاں		
مختصر کہانیاں	حشمت کمال پاشا	39
ننھا استاد	ابوطالب انصاری	41
ہمت مرداں	شجاع الدین شاہد	43
شکاری مکڑا	محبوب حسن	45
انصاف کا تقاضا	عبدالناصر	47
نیک ارادہ	محمد عرفان	50
پپولال ہوگیا	فہیم ادیب فاروقی	52
بچوں کا کتب خانہ		
منّی کا تحفہ	عبدالرشید اعظمی	55
واقفیت عامہ		
تاریخی، سائنسی اور ثقافتی معلومات	ادارہ	57
سائنس نامہ		
شمسی توانائی کی اہمیت	اکبر خان اشک جالوری	58
ننھے فنکار		
پینٹنگ		60

ماہنامہ بچوں کی دنیا

جلد: 11 شمارہ: 10 اکتوبر 2023

مدیر : پروفیسر شیخ عقیل احمد

نائب مدیر : عبدالباری

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت تعلیم، محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند
فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،
جسولہ، نئی دہلی-110025
فون:49539000
شعبہ ادارت:11-49539009
ای میل
bachonkiduniya@ncpul.in
editor@ncpul.in
ویب سائٹ
http://www.urducouncil.nic.in

قیمت: /10 روپے، سالانہ /100 روپے

▪ اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبہ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت
ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم
نئی دہلی- 110066
فون:26109746

ای میل:sales@ncpul.in

علاقائی مرکز: 110-7-22، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس
بلاک نمبر 5-1، پتھر گٹی، حیدرآباد- 500002
فون: 24415194-040

پیارے بچو! 23 اگست 2023 کا دن ہندوستانی تاریخ میں ہمیشہ کے لیے درج ہوگیا، اس لیے کہ اسی دن چندریان-3 کامیابی کے ساتھ چاند کی سطح پر اترا، یہ ایک ایسا اہم اور عظیم الشان کارنامہ ہے جس کی ستائش پوری دنیا کر رہی ہے، ہندوستان نے سائنس اور ٹیکنالوجی میں کس قدر ترقی کی ہے یہ مشن اس کی واضح مثال ہے، اس مشن کی خاص بات یہ ہے کہ چاند کے قطب جنوبی پر پہنچنے والا ہندوستان پہلا ملک ہے۔ اس اہم کامیابی کے لیے اسرو (انڈین

اسپیس ریسرچ آرگنائزیشن) کے سائنسداں مبارکباد کے مستحق ہیں کہ ان لوگوں کی ان تھک محنت اور لگن نے اس ناممکن مشن کو کامیابی سے ہمکنار کیا۔ چندریان-3، 14 جولائی 2023 کو لانچ کیا گیا تھا، تقریباً چالیس دنوں کی اڑان کے بعد یہ اپنی منزل مقصود پر پہنچا اور تاریخ رقم کرنے میں کامیاب رہا۔ یہ ہندوستان کی چاند پر پہنچنے کی یہ تیسری کوشش تھی، 22 اکتوبر 2008 کو چندریان-1 پہلی بار خلا میں بھیجا گیا تھا، ہندوستان کا پہلا مشن کامیاب ہوا تھا، چندریان-1 کامیابی کے ساتھ چاند کے مدار میں داخل ہوا اور پھر اس سے متعلق معلومات ہم تک بآسانی پہنچانے میں کامیاب ہوا۔ 22 جولائی 2019 کو چندریان-2 خلا میں بھیجا گیا، لیکن سوئے اتفاق کہ یہ مشن کامیاب نہیں ہوا، اس کے باوجود ہمارے سائنس دانوں نے ہار نہیں مانی اور چندریان-2 میں جو کمیاں رہ گئی تھیں انھیں دور کرنے میں کامیاب ہوئے اور چندریان-3 کامیابی کے ساتھ چاند کی سطح پر اترا اور ہندوستان کا جھنڈا ایک بار پھر چاند پر لہرانے میں کامیاب ہوا۔

بچو! یہ سائنس و ٹیکنالوجی کا دور ہے، اپنے آپ کو زمانے سے ہم آہنگ کرنے کے لیے آپ بھی سائنس و ٹیکنالوجی پر خاطر خواہ توجہ دیں، نصابی کتابوں کے علاوہ دوسری چیزیں بھی بغور پڑھیں، اس سے آپ کے ذہن میں کشادگی پیدا ہوگی، گوگل اور دوسرے معلوماتی ویب سائٹس پر بہت سی ایسی چیزیں آپ کو مل جائیں گی جو آپ کی معلومات میں اضافہ کریں گی۔ ذہن میں آنے والے سوالات کو اساتذہ سے ضرور دریافت کریں، ایک بات کا خاص خیال رکھیں کہ شروع سے ہی آپ اپنا ذہن بنالیں کہ آپ کو کس میدان میں جانا ہے، کون سا میدان آپ کو پسند ہے، آپ کی دلچسپی جس میدان میں بھی ہو اس سبجیکٹ کو دل لگا کر پڑھیں، خواہ ڈاکٹر بننا ہو یا انجینئر یا پھر سائنٹسٹ وغیرہ، اس وقت سارے میدان آپ کے لیے کھلے ہوئے ہیں، آپ محنت سے پڑھیں اور جس طرح ہمارے سائنس دانوں نے ملک کا نام روشن کیا ہے آپ بھی ارادہ کریں کہ ہم بھی ملک کا نام اسی طرح روشن کریں گے اور ملک کی ترقی اور ناموری میں اپنا کردار ادا کریں گے۔

آپ کا

ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

ڈاک خانہ

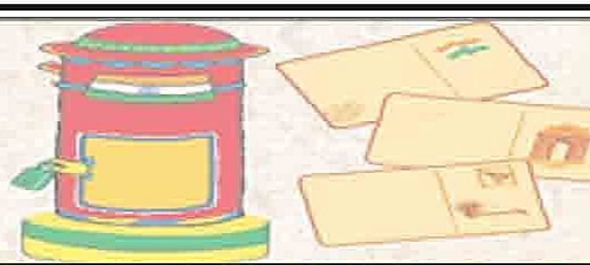

پی بی انٹر کالج، گاؤں برینچا، تحصیل محمدی، ضلع لکھیم پور کھیری، اتر پردیش

'بچوں کی دنیا' کا اگست کا شمارہ ڈاک سے مل گیا ہے۔ میری نظم 'خوں بہا کر وطن یہ ملا ہے' کی اشاعت کے لیے ممنون ہوں۔ اگست مہینے کے تعلق سے قیمتی اور معلوماتی تخلیقات کے انتخاب کے لیے آپ مبارکباد کے مستحق ہیں۔ یوم آزادی کے حوالے سے مختلف سرگزشت کی وجہ سے آپ کا اداریہ بھی بچوں کے لیے واقفیت کا نادر ذریعہ ثابت ہوا ہے۔ شفیع الدین نیر صاحب کی نظم 'جھنڈا اونچا رہے ہمارا'، نصرت شمسی کا مضمون 'ترنگا'، تبسم سحر کی تخلیق 'آزادی کا دن آیا'، ظہیر رانی بنوری کی 'آزادی'، مدثر عمر کیفی کی 'پندرہ اگست'، عذرا خاتون کی 'یہ ہے اپنا ہندوستان' سید عشقان رہبر کی 'پندرہ اگست' اور سید واجد علی شاہ جیلانی کا

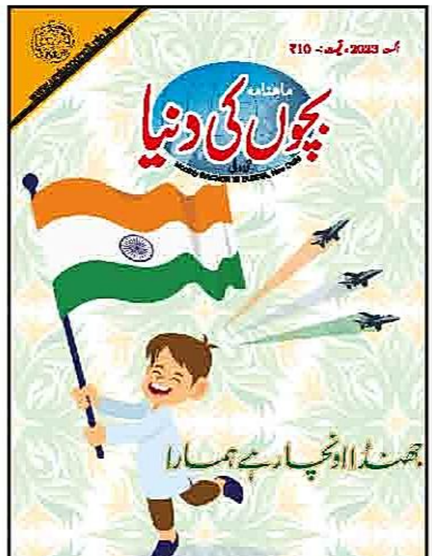

مضمون 'ہمارا قومی پرچم' کی شمولیت نے اگست کے اس شمارے کو 'آنکھوں پر جگہ دینے' کی مثال بنا دی ہے۔ بلا شبہ آپ بچوں کے ادب کے لیے لہو پانی کر رہے ہیں۔ بچوں کی دنیا کے مواد کے انتخاب کو ید طولیٰ حاصل ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ بچوں کی فکر و فہم کی مناسبت سے آپ تخلیقات کا انتخاب کرنے میں اسوہ حسنہ کی مثال پیش کر رہے ہیں۔ بچوں کے لیے آپ کا یہ رسالہ دوسرے رسائل میں 'ماہِ تاباں' کی حیثیت رکھتا ہے۔ نئی نسل اردو میڈیم میں کم اور غیر اردو میڈیم اسکولوں میں تعلیم حاصل کر رہی ہیں تاہم آپ جیسے اردو سے عقیدت و محبت کرنے والا اگر ایک شخص بھی روئے زمین پر ہو تو اردو 'لشکر' ہونے کی مثال پیش کرتی رہے گی۔ بچوں کے لیے مختلف موضوعات کے مواد بھی ہیں۔ مجموعی طور بچوں کی دنیا ایک منفرد اور عدیم الوجود ماہنامہ ہے۔ تمام قلم کاروں کو مبارکباد اور نیک خواہشات۔

یہ 'بچوں کی دنیا' ہے بچوں کی خاطر
ادب کے لیے ہے یہ مانند عاطر

احمد وکیل علیمی (محمد وکیل)، دوردرشن کیندر کولکاتا، (کانکی نارہ)، بنگال

ماؤنٹ سینا اکیڈمی گورکھ ناتھ گورکھپور کے درجہ پنجم کے طلبہ ’بچوں کی دنیا‘ کا اجتماعی مطالعہ کرتے ہوئے

’بچوں کی دنیا‘ اگست کا شمارہ موصول ہوا، پڑھ کر دلی مسرت حاصل ہوئی۔ ادب اطفال کی دنیا میں یہ رسالہ اپنا خصوصی مقام رکھتا ہے۔ یومِ آزادی کی مناسبت سے سرورق اور اداریہ دونوں ہی شاندار ہیں۔ اس رسالے میں شامل کہانیاں، نظمیں اور دیگر تمام تخلیقات بچوں کے لیے دلچسپی کا باعث اور ان کی معلومات میں اضافے کا سبب بنتی ہیں۔ خصوصی طور پر نصرت شمسی کی ترنگا، سید واجد علی شاہ جیلانی کا ہمارا قومی پرچم اور عاکف سنبھلی صاحب کا انٹرویو بہت عمدہ اور بہترین ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اسد رضا کی کہانی احساس اور رضی اللہ دہلوی کی کہانی نیکی کا صلہ دونوں ہی بہت اچھی ہیں۔ زبان شناسی کے تعلق سے ساز و سامان تحریر عمدہ کاوش ہے۔ ننھے فنکاروں کی کرشمہ سازی دیکھ کر بہت اچھا لگا۔ ہماری چھوٹی سی لائبریری میں ہر ماہ اس رسالے کا کچھ ننھے قاری شدت سے انتظار کرتے ہیں۔

باقی مدیران اور تمام قلمکاروں کو دلی مبارک باد!

انور حسین گورکھپوری، جوہر قاسمی لائبریری، چلما پور، گورکھپور، اتر پردیش

ماہنامہ ’بچوں کی دنیا‘ ستمبر 2023 کا شمارہ وقت پر موصول ہوا۔ پڑھ کر خوشی ہوئی۔ سرورق پر ڈاکٹر رادھا کرشنن کی تصویر دیکھ کر دلی خوشی ہوئی کیونکہ ستمبر کا مہینہ انہی کی پیدائش کے طور پر منایا جاتا ہے۔ رسالے میں شامل تمام مضامین، نظمیں قابل تعریف ہیں۔ محمد قمر سلیم کے ذریعے تحریر کیا

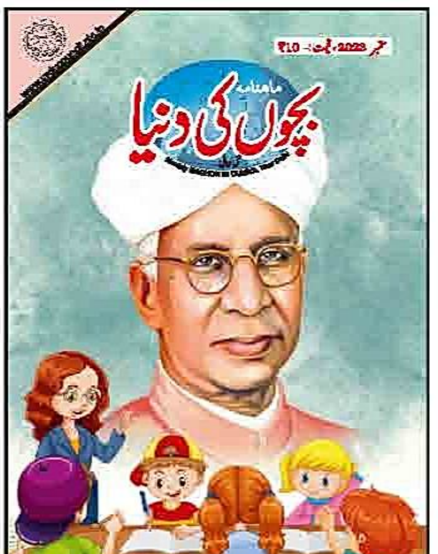

گیا مضمون ’ڈاکٹر رادھا کرشنن: معلم و فلسفی‘ میں ڈاکٹر رادھا کرشنن کے بارے میں اہم ترین معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ ’اساتذہ کا پیغام طلبا کے نام‘ نظم میں علم حاصل کرنے اور محنت کرنے کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ نظم ’ہمارے استاد‘ میں استاد کی اہمیت کو بہترین انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ ’اردو میری ماں جیسی ہے‘ نظم بھی عمدہ ہے۔ رسالے میں شامل بقیہ تخلیقات بھی عمدہ اور جاندار ہیں۔ ننھے فنکار کے تحت بچوں کی پینٹنگ کی اشاعت ان کے حوصلے میں اضافہ کرتی ہے۔ یہ سلسلہ ہمیشہ برقرار رکھیں تو بہتر ہوگا۔

یاسمین بانو عبدالستار، درجہ دواز دہم، گورنمنٹ، اردو گرلس ہائر سیکنڈری اسکول، حریر پورہ برہانپور، مدھیہ پردیش

چاند پہ اترا ہندوستان

ارشد مینا نگری

ارشد مینا نگری کا تعلق مینا نگر، جلگاؤں مہاراشٹر سے ہے۔ درس و تدریس سے وابستہ رہے ہیں۔ اب سبکدوش ہو چکے ہیں۔ دو درجن سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں جن میں نئے اجالے، ماں، عید، سہروں کے چہرے، ہم سب ایک ہیں پیارا ہندوستان، بولتے پتھر قابل ذکر ہیں۔ ادب اطفال کے حوالے سے 'دھرتی کے تارے' ان کی اہم کتاب ہے جو 2010 میں شائع ہوئی تھی۔ اردو کے علاوہ ہندی اور مراٹھی زبانوں میں بھی انھوں نے شاعری کی ہے۔ ان دونوں حلقوں میں بھی کافی مقبول ہیں۔ ان کے کئی البم اور کیسٹس جاری ہو چکے ہیں۔ انھیں بہت سارے اعزازات بھی مل چکے ہیں اور ان پر کئی تنقیدی کتابیں بھی شائع ہو چکی ہیں۔

اتنی اونچی، بھرا اڑان
بن کے رہا دنیا کی شان
ارشد ہم خوش قسمت ہیں
چاند پہ اترا ہندوستان

یارب روشن پیار بھی دے
سم نفرت کا مار بھی دے
چاند سہانا دیا ہمیں
چاند سا ہر کردار بھی دے

کسی طرح معذور نہیں
ذرا بھی ہم مجبور نہیں
سچ ہے ارشد ہم سے اب
چندا ماما دور نہیں

ہنستا چہرا چہرا ہے
لمحہ خوب سنہرا ہے
سائنس دانوں کے سر پر
چاند کا روشن سہرا ہے

پل مسرور مبارک ہو
حل مخمور مبارک ہو
ہر ظلمت مٹ جائے گی
چاند کا نور مبارک ہو

محنت کا پھل پائیں گے
دنیا کو چونکائیں گے
دیکھنا یوں ہی ہم ارشد
چاند کے آگے جائیں گے

صدیوں بعد یہ پل آیا
کاوش کا رخ جھلکایا
چاند کی دھرتی پر ارشد
آج ترنگا لہرایا

چمکا مقدر بھارت کا
اونچا ہوا سر بھارت کا
چاند پہ جانے والوں میں
چوتھا نمبر بھارت کا

■

Arshad Meena Nagri
Sr. No.: 19, House No.51
Mominpura, Malegaon
District Nashik - 423203
(Maharashtra)
Mob.: 9823145386

چندریان مشن کی کامیابی

نایاب حسن

23/ اگست کو ہندوستان کے مشن چندریان-3 کا روبوٹک لینڈر وکرم چاند کے قطبِ جنوبی پر کامیابی کے ساتھ اترا اور اس طرح امریکہ، چین اور سوویت یونین کے بعد ہندوستان چاند پر پہنچنے والا چوتھا ملک بن گیا۔ یہ مشن اسی سال 14 جولائی کو لانچ کیا گیا تھا، یہ مشن اسرو نے 2019 میں چندریان-2 کی بعض تکنیکی وجوہات کی بنا پر ناکامی کے بعد مرتب کیا تھا اور اس میں پچھلی کمیاں دور کردی گئی تھیں۔ اس بار یہ حفاظت لینڈنگ کے لیے اسرو نے چندریان-2 کے مقابلے میں کہیں بہتر حفاظتی انتظامات کیے تھے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ یہ مشن کامیابی سے ہمکنار ہوسکا ہے۔ یہ کتنی بڑی کامیابی ہے اس کا اندازہ یوں کیا جاسکتا ہے کہ پچھلے پانچ سالوں میں چاند تک پہنچنے کی چھ میں سے چار کوششیں ناکام ہوچکی ہیں۔ تازہ ترین ناکامی 19 اگست کو ہوئی، جب روس کا Luna-25 خلائی جہاز چاند سے ٹکرا کر تباہ ہوگیا۔ اس سے پہلے اسرائیلی کمپنی SpaceIL کا Beresheet، بھارت کا چندریان-2 اور نجی جاپانی فرم Ispace کے Hakuto-R خلائی مشن ناکام ہوچکے ہیں۔

ٹھیک 06:04 بجے شام لینڈر نے چاند کی سطح کو چھولیا اور ISRO ٹیلی میٹری ٹریکنگ و کمانڈ نیٹ ورک (ISTRAC)، بنگلور کے مشن آپریشن کمپلیکس (MOX) سمیت تمام ہندوستان اور دنیا بھر میں اس تاریخ ساز کامیابی کا جشن منایا گیا۔ اس کے بعد لینڈر نے کامیابی کے ساتھ روور کو نصب کیا، جو نقل وحرکت کے دوران چاند کی سطح کا اندرونی کیمیائی تجزیہ کرے گا۔ اس اہم ترین کامیابی پر اِسرو کے سائنسدانوں کی ٹیم کو مبارکباد دیتے ہوئے وزیر اعظم مودی نے کہا کہ ”ہندوستان کا کامیاب چاند مشن صرف ہندوستان کا نہیں ہے، ایک زمین، ایک خاندان، ایک مستقبل کا ہمارا نظریہ پوری دنیا میں گونج رہا ہے، چاند مشن اسی مرکزی انسانی نظریے پر مبنی ہے؛ لہٰذا یہ کامیابی پورے عالمِ انسانیت کی کامیابی ہے۔“

مشن چندریان کیا ہے؟

چندریان پروگرام چاند پر تحقیق کے لیے انڈین اسپیس ریسرچ آرگنائزیشن (ISRO) کے بیرونی خلائی مشنوں کا ایک سلسلہ ہے۔ اس پروگرام میں ایک قمری مدار، ایک امپیکٹر، ایک سافٹ لینڈر اور ایک روور خلائی جہاز شامل ہے۔

ہندوستان نے اب تک تین چاندیان مشن روانہ کیے ہیں، جن میں سے ہر ایک میں دو مدار، لینڈرز اور روور تھے۔ دونوں مدار کامیاب رہے، البتہ پہلا لینڈر اور روور جو مشن چندریان-2 کا حصہ تھے، چاند کی سطح پر گر کر تباہ ہو گئے۔ مشن چندریان-3 23 اگست 2023 کو کامیابی کے ساتھ چاند پر اترا، جس سے بھارت چاند کے قطب جنوبی پر کامیابی کے ساتھ خلائی جہاز اتارنے والا پہلا ملک بن گیا۔

چندریان پروگرام ایک متنوع مشنز والا پروگرام ہے۔ ستمبر 2019 تک اسرو کے ورک ہارس پی ایس ایل وی راکٹ کا استعمال کرتے ہوئے اثر انگیز تحقیقات کے ساتھ ایک مدار چاند پر بھیجا گیا۔ آربیٹر، سافٹ لینڈر اور روور پر مشتمل دوسرا خلائی جہاز 22 جولائی 2019 کو LVM3 راکٹ کے استعمال کے ساتھ لانچ کیا گیا تھا۔ اس کی ناکامی کے بعد ایک پوڈ کاسٹ میں وی ایس ایس سی (وکرم سارا بھائی سپیس سینٹر) کے ڈائریکٹر ایس سوم ناتھ نے اعلان کیا تھا کہ چندریان پروگرام میں مشن چندریان-3 اور مزید مشنز شامل ہوں گے۔ مشن چندریان-3، LVM-3 کا استعمال کرتے ہوئے 14 جولائی 2023 میں شروع کیا گیا تھا۔

مشن چندریان کی مختصر تاریخ

سب سے پہلے سابق وزیر اعظم اٹل بہاری واجپائی نے 15 اگست 2003 کو یوم آزادی کے موقع پر اپنے خطاب میں چندریان منصوبے کا اعلان کیا تھا۔ یہ مشن ہندوستان کے خلائی پروگرام کے حوالے سے ایک تاریخی پیش رفت تھی۔ چاند پر ہندوستانی سائنسی مشن کا نظریہ پہلی بار 1999 میں انڈین اکیڈمی آف سائنسز کے اجلاس کے دوران پیش کیا گیا تھا۔ ایسٹرونوٹیکل سوسائٹی آف انڈیا نے 2000 میں اس نظریے کو آگے بڑھایا۔ اس کے فوراً بعد انڈین اسپیس ریسرچ آرگنائزیشن (ISRO) نے قومی چاند مشن ٹاسک فورس قائم کی، جو اس نتیجے پر پہنچی کہ ISRO کے پاس چاند پر ہندوستانی مشن بھیجنے کے لیے مطلوبہ تکنیکی مہارت موجود ہے۔ اس کے بعد اپریل 2003 میں سیاروں اور خلائی سائنسز، ارضیاتی سائنسز، فزکس، کیمسٹری، فلکیات، فلکی طبیعیات اور انجینئرنگ اور کمیونیکیشن سائنسز کے شعبوں سے تعلق رکھنے والے 100 سے زیادہ نامور ہندوستانی سائنس دانوں نے چاند پر ہندوستانی تحقیقات شروع کرنے کے لیے ٹاسک فورس کی تجویز پر تبادلہ خیال کے بعد اسے درست قرار دیا اور چھ ماہ بعد اسی سال نومبر میں ہندوستانی حکومت نے چاند مشن کو منظوری دے دی۔

چندریان-1

چندریان-1، 22 اکتوبر 2008 کو پی ایس ایل وی-ایکس ایل راکٹ کے ساتھ لانچ کیا گیا، اسرو کی یہ ایک بڑی کامیابی تھی، کیونکہ اس مشن نے پہلی بار چاند پر پانی کا انکشاف کیا تھا۔ پانی کا پتہ لگانے کے علاوہ چندریان-1 نے چاند کی نقشہ گری اور اس کے ماحولیات کی پروفائلنگ جیسے کئی دوسرے کام انجام دیے۔

چندریان-2

اس کے بعد 18 ستمبر 2008 کو منموہن سنگھ کی پہلی کابینہ نے مشن چندریان-2 کی منظوری دی۔ کئی سال کی محنت کے بعد ISRO نے چندریان-2 کی تمام تیاریاں کر کے شیڈول کے مطابق اسے حتمی شکل دے دی تھی، مگر یہ مشن بعض وجوہات کی بنا پر جنوری 2013 میں ملتوی کر دیا گیا، پھر 2016 میں دوبارہ اسے شیڈول کیا گیا؛ کیونکہ روس وقت پر لینڈر تیار کرنے میں ناکام رہا تھا۔ دراصل Roscosmos بعد میں مریخ پر فوبوس-گرنٹ مشن کی ناکامی کے بعد پیچھے ہٹ گیا، کیونکہ فوبوس-گرنٹ مشن سے منسلک تکنیکی پہلو بھی قمری منصوبوں میں استعمال کیے گئے تھے، جن پر نظر ثانی کی ضرورت تھی۔

جب روس نے 2015 تک لینڈر فراہم کرنے میں اپنی نااہلی کا اعتراف کرلیا، تو ہندوستان نے قمری مشن کو آزادانہ طور پر تشکیل دینے کا فیصلہ کیا اور غیر استعمال شدہ آربیٹر ہارڈ ویئر کو دوبارہ مارس آربیٹر مشن کے لیے استعمال کیا گیا۔

چندریان-2 کو LVM3 راکٹ کے ذریعے 22 جولائی 2019 کو لانچ کیا گیا تھا۔ خلائی جہاز کو 20 اگست 2019 کو کامیابی کے ساتھ چاند کے مدار میں داخل کردیا گیا تھا، لیکن لینڈر 6 ستمبر 2019 کو اترنے کی کوشش کے دوران کھو گیا تھا۔ البتہ آربیٹر اب بھی کام کررہا ہے، سائنسی معلومات اکٹھا کررہا ہے، اور امید ہے کہ ساڑھے سات سال تک یہ کارگر رہے گا۔

چندریان-3

نومبر 2019 میں اسرو کے ذمے داران نے بتایا تھا کہ نومبر 2020 میں لانچ کرنے کے لیے ایک نئے چاند لینڈر مشن کا مطالعہ کیا جارہا ہے۔ اس نئے منصوبے کو چندریان-3 کہا جائے گا اور یہ قمری پولر ایکسپلوریشن مشن کے لیے درکار لینڈنگ کی صلاحیتوں کے اظہار کی دوسری کوشش ہوگی۔ اس خلائی جہاز کے کل پرزوں میں مدار کو لانچ کرنے والا آلہ نہیں ہوگا اور اس میں ایک لینڈر، روور، اور ایک پروپلشن ماڈیول ہوگا، جس کے مشن کی لاگت 250 کروڑ ہوگی اور LVM3 کے لیے 365 کروڑ کی اضافی لاگت درکار ہوگی۔ یہ تیسرا مشن اسی علاقے میں اترے گا جس علاقے میں دوسرا مشن ہے۔ اسی مجوزہ پروگرام کے مطابق چندریان-3 کو 14 جولائی 2023 کو لانچ کیا گیا تھا۔ مشن چندریان-3 کے بنیادی اہداف تین اہم پہلوؤں کو محیط ہیں۔ اس کا اولین مقصد چاند کی سطح پر کامیابی کے ساتھ پہنچنا اور وہاں قیام کے امکان کی دریافت ہے۔ دوسرے چاند کی زمین پر روور کی نقل وحرکت کو ظاہر کرنا۔ تیسرے یہ چاند کی سطح پر براہ راست سائنسی تجربات کرنا چاہتا ہے۔ چندریان-3 کا لینڈر اور روور 23 اگست 2023 کو چاند کے جنوبی قطب کے قریب اترا، جس کے بعد امکانات روشن ہوگئے ہیں کہ اب چاند پر مزید سائنسی تحقیقات و اکتشافات ہوسکیں گے۔

چندریان-4

اس کے بعد چندریان-4 کا بھی منصوبہ ہے، جسے 28-2026 کے دوران لانچ کرنے کی تجویز پیش کی گئی ہے۔ ہندوستان اس مشن میں جاپان کے ساتھ اشتراک کررہا ہے؛ لیکن ابھی اس مشن کا خاکہ پوری طرح واضح نہیں ہے۔ یہ قمری قطب کے قریب ایک لینڈر روور مشن ہوگا جو چاند سے نمونے لے گا، جمع شدہ مواد کا تجزیہ کرے گا اور رات میں چاند پر قیام سے متعلق ٹکنالوجیز کا پتا لگائے گا۔

■

Md. Nayab Hasan
A-22, Seema Apts., Batla House
Jamia Nagar, New Delhi -110025
Mob.: 9560188574

چاند پر جو اترا ہے چندریان اپنا ہے

محمد عادل

یہ زمین اپنی ہے آسمان اپنا ہے
چاند پر جو اترا ہے چندر یان اپنا ہے

یہ زمین اپنی ہے آسمان اپنا ہے
چاند پر جو اترا ہے چندر یان اپنا ہے

روشنی سی پھیلی ہے دور تک خلاؤں میں
نقش اپنے جتے ہیں آج کہکشاؤں میں
آج کون آیا ہے چاند کی فضاؤں میں

ساتھ اپنے خالق ہے ہر مراد پالیں گے
آسمان کے اندر راستے نکالیں گے
اب نئے ستاروں پر ہم کمند ڈالیں گے

یہ زمین اپنی ہے آسمان اپنا ہے
چاند پر جو اترا ہے چندر یان اپنا ہے

یہ زمین اپنی ہے آسمان اپنا ہے
چاند پر جو اترا ہے چندر یان اپنا ہے

کل جو ناز کرتے تھے اپنے کام کے اوپر
آج اپنے اسرو کے دیکھتے ہیں وہ جوہر
چاند اور ستارے ہیں اپنی مشت کے اندر

آج اپنی آنکھوں میں کچھ حسین سپنے ہیں
اپنی کامیابی پر خوش ہمارے اپنے ہیں
حوصلے بلندی پر آج اپنے کتنے ہیں

یہ زمین اپنی ہے آسمان اپنا ہے
چاند پر جو اترا ہے چندر یان اپنا ہے

یہ زمین اپنی ہے آسمان اپنا ہے
چاند پر جو اترا ہے چندر یان اپنا ہے

آج ساری دنیا کو اس نے پیچھے چھوڑا ہے
رخ ہواؤں کا اس نے اپنی سمت موڑا ہے
سحر سارے عالم کا آج اس نے توڑا ہے

چاند پر قدم رکھنا اپنا اک بہانا ہے
ہم کو دور تک عادل اس خلا میں جانا ہے
کہکشاؤں کے اندر اپنا گھر بنانا ہے

یہ زمین اپنی ہے آسمان اپنا ہے
چاند پر جو اترا ہے چندر یان اپنا ہے

یہ زمین اپنی ہے آسمان اپنا ہے
چاند پر جو اترا ہے چندر یان اپنا ہے

آج ساری دنیا میں بس کلام ہے اپنا
کام وہ کیا ہم نے جگ میں نام ہے اپنا
جو نہ کوئی کر پایا ایسا کام ہے اپنا

■

E.R Mohd Adil
Hilal House, H No.: 4/114, Jagjeevan Colony
Naglah Mallah, Civil Line
Aligarh - 202002 (UP)
Mob.: 9358856606

مضمون

آدم خور

مصطفیٰ نعیم خان غوری

مصطفی ندیم خان غوری کا تعلق ضلع بیڑ مہاراشٹر سے ہے۔ انھوں نے بی اے، بی ایڈ، ایم اے نفسیات، ایم اے (اردو) اور ایل ایل ایم کی ڈگریاں حاصل کی ہیں۔ ان کے مضامین، افسانے ٹاک ریڈیو میں بھی نشر ہوتے رہے ہیں۔ قومی اردو کونسل میں ریسرچ آفیسر کی حیثیت سے اپنی خدمات انجام دے چکے ہیں۔ وہ این سی ای آرٹی ہائی اسکول لیول اور نفسیات کی بارھویں جماعت کی کتاب کا انگریزی سے اردو میں ترجمہ کر چکے ہیں۔ امبیڈکر اوپن یونیورسٹی حیدرآباد (کرسپانڈنس کورس) کی گریجویشن اور پی جی کی کتابوں کا بھی ترجمہ کر چکے ہیں۔ ان کے مضامین ہندوستان کے مشہور رسائل واخبارات میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ ان کا ایک مضمون 'کہانی سکوں کی' کرناٹک میں آٹھویں جماعت کے نصاب میں شامل ہے۔

آپریشن 'بلیک بیٹ' کی کامیابی کے بعد ابرار کو میڈم عظمیٰ آئی پی ایس کا میسج موصول ہوا کہ ابرار اینڈ پارٹی یعنی مدار، سندر (مدار کا چہیتا بندر)، شبّو (شبانہ)، بگّو (بیگم پاشا) کو جلد از جلد فورنسک سرکل (Forensic Circle) میں عظمیٰ میڈم کے آفس میں رپورٹ کرنا ہے۔ چنانچہ یہ لوگ ایک دن میڈم کو فون کر کے ان کے آفس پہنچ گئے۔ وہاں شری اروند پی اے ٹو آفیسر انچارج نے ان لوگوں کا استقبال کر کے میڈم کے چیمبر میں انھیں بٹھایا اور تھوڑی خاطر مدارات کے بعد انھیں اطلاع دی کہ آپ لوگ ذرا تشریف رکھیں، میڈم سے کچھ دیر بعد ملاقات رہے گی۔

اتنی دیر مدار نے دیواروں کی الماریوں ان کے عمدہ نقش ونگار فرنیچر اور خصوصاً کرسی اور منقش طویل وعریض میز کا جائزہ لیتا رہا اور مرعوب ہوتا رہا جب اس کی حیرت میں اضافہ ہوتا ہی رہا تو اس نے ابرار کو اپنی کہنی کا ٹھونگا لگایا اور پوچھا ''یار ابرار یہ الماریاں کون سی لکڑی سے تیار کی گئی ہوں گی؟'' ابرار نے ان پر نظر دوڑا کر کہا ''یہ لال چندن کی لکڑی سے تیار شدہ الماریاں ہیں۔ یہ لکڑی نہایت قیمتی ہوتی ہے جس کی قیمت پانچ تا سات ہزار روپیہ فی کیلو ہوتی ہے۔ مدار نے حیرت سے کہا تب تو ان کی لاگت لاکھوں میں چلی ہوگی! ابرار نے ہامی بھرتے ہوئے کہا اور یہ ٹیبل دیکھ رہے ہو، یہ 'افریکن بلیک ووڈ' کا بنا ہوا ہے۔ اس کی فی کیلو لاگت آٹھ تا دس ہزار روپیہ ہوتی ہے۔ اگر اس میں کاریگری اور نقاشی جوڑ لیں تو یہ قیمت چار تا چھ گنا بڑھ جاتی

ہے۔ مدار نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا ”اچھا! تب تو یہ بھی لاکھوں سے کروڑوں کی لاگت تک پہنچ جائے گی۔ ابرار نے بھی اس کی حیرت کو قائم رکھتے ہوئے کہا ”جی بالکل۔ یہی نہیں بلکہ اس قیمتی لکڑی سے اعلیٰ درجے کے میوزیکل انسٹرومنٹس یعنی موسیقی کے آلات جیسے ہارمونیم، ستار، طبلہ، وائلن گٹار وغیرہ بھی تیار کیے جاتے ہیں۔ یہ افریقی سیاہ لکڑی براعظم افریقہ کے کوئی 26 ملکوں میں پائی جاتی ہے۔ کہتے ہیں کہ اس کا پیڑ کم از کم 60 سال میں پوری طرح تیار ہوتا ہے تب ہی یہ قیمتی لکڑی حاصل ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ افریقہ مزید کئی حیران کن چیزوں کے لیے مشہور ہے۔ جیسے وہاں کے گھنے جنگل کہ وہاں دن میں بھی اندھیرا گھُپ چھایا رہتا ہے اور وہاں کی پگڈنڈیوں میں روشنی کی ذرا سی رمق بڑی راحت کا سبب بنتی ہے۔“ درمیان میں بگّو نے دخل اندازی کی کہ ”بھیا سنا ہے وہاں زہریلی مکھیاں بھی ہوتی ہیں جن سے بچ کر رہنا پڑتا ہے۔“ تب شبّو نے کہا ”ارے یہ تو کچھ بھی نہیں بلکہ جا بجا کالے کالے زہریلے ناگ اور ٹہنیوں اور ڈالیوں سے رستا ہوا زہر بھالو بندر بوزنا جیسے خطرناک حیوان.....“ مدار نے مداخلت کرتے ہوئے کہا ”ایک بات آپ لوگ بھول رہے ہیں وہاں آدم خور قبائل بھی تو رہتے ہیں۔“ سب نے ایک آواز ہو کر کہا بالکل بالکل وہاں کے وحشی آدم خور تو نہایت خونخوار ہوتے ہیں۔ اس طرح یہ شور بڑھ رہا تھا کہ عظمیٰ داخل ہوئیں۔ عظمیٰ میڈم کی آمد پر سب نے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا۔ عظمیٰ نے کہا ”ویل کم ٹو ایوری ون، بیٹھیے بیٹھیے۔“

عظمیٰ: کس بات پر گرما گرم بحث ہو رہی تھی؟ بھئی اور یہ آدم خور کی کیا بات تھی؟

شبّو: میڈم! یہ مدار کہہ رہے تھے کہ افریقہ میں اب بھی خونخوار آدم خور رہتے ہیں۔

عظمیٰ: عجیب اتفاق ہے آپ لوگ آدم خور قبیلوں کے بارے میں بات کر رہے تھے اور مجھے بھی اسی بارے میں آپ سب کو آگاہ کرنا تھا۔ آپ کو تعجب ہوگا کہ ہمارے ملک میں بھی آدم خور قبیلے پائے جاتے تھے۔

سب: (بڑے تعجب سے) ہمارے ملک میں بھی! ہم نے تو کبھی سنا نہیں!

عظمیٰ: ارے تم کیا جانو ہمارے ملک میں اگھوری (Aghori) نام کا آدم خور قبیلہ گنگا کے آس پاس کے گھنے جنگلوں میں پایا جاتا تھا۔ ان کے راہب شراب اور نشیلی جڑی بوٹیاں استعمال کر کے انسانی گوشت کھا کر گیان دھیان میں مستغرق ہو جاتے تھے۔ لیکن اب ان سے یہ عادتیں چھوٹ چکی ہیں اور وہ اب سب کے ساتھ مل کر شرافت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اچھا ان کے علاوہ اور کوئی کچھ جانتا ہے؟ ابرار نے اپنا ہاتھ اٹھا کر کچھ کہنے کی کوشش کی تو عظمیٰ نے کہا کہ کہو ابرار کیا جانتے ہو۔

ابرار: میم، براعظم آسٹریلیا کے شمال مغرب میں جزیرہ نیوگنی میں ایک ”اسمت“ قبیلہ پایا جاتا ہے جو اپنے دشمنوں کو مار کر ان کا بھیجا تاڑ کے پتوں میں لپیٹ کر آگ میں بھونتے ہیں اور مزے لے لے کر کھاتے جاتے ہیں۔
اور میم اسی طرح نیوگنی کے مغربی نصف حصے یعنی مغربی پپوا (West Papau) میں ایک قبیلہ کوُروائی (The Korowai) ہے جو نہایت گھنے جنگلوں میں ہے اس لیے جدید دنیا کو ان کی خبر نہیں ہوتی۔ یہ کالے جادو کی مدد سے اپنے شکار کو پھانستے ہیں اور ناچ ناچ کر اس کی تکا بوٹی کھاتے ہیں۔ لیکن جیسا آپ نے کہا یہ بھی ترقی یافتہ سماج میں شامل ہو کر باعزت زندگی گزار رہے ہیں۔

عظمیٰ: شاباش! ابرار تمھاری معلومات کافی وسیع ہے۔ لیکن اب

ہمیں اپنے ایک اہم ساتھی مسٹر سدھا کر جو کوڈ ورڈس کو ڈی کوڈ کرنے میں مہارت رکھتے ہیں، کو چھڑانا ہے جو غلطی سے ان کے ہتھے چڑھ گئے ہیں۔

مدار: (بات کاٹتے ہوئے) مگر میڈم اب تک تو وہ انھیں بھون کر چٹ کر گئے ہوں گے۔

عظمیٰ: تمھارا اندیشہ صحیح ہے مدار مگر انھوں نے اب تک انھیں زندہ رکھا ہے کیوں کہ اب ان لوگوں کا رجحان جرائم کی جانب جھک چکا ہے۔ ابرار کیا تم ان دو مجرموں سے واقف ہو(یہ کہتے ہوئے عظمیٰ نے دو تصاویر میز کی دراز سے نکال کر ان کی جانب بڑھادیں، سب نے ان تصویروں کو دیکھا تو ابرار نے تعجب سے کہا)

ابرار: میڈم یہ غالباً شفقن ہے جس کی پنڈلیاں میں ہوٹل سن سٹ میں توڑ چکا تھا۔ اور یہ تو وہی مکوڑی ہے جس کی پسلیاں میں بلیک بلڈنگ میں اُدھیڑ چکا تھا۔ یہ یہاں کیسے اور ان کا آدم خوروں سے کیا تعلق؟

سندر ان تصویروں کو دیکھ کر منہ کھول کر زور زور سے آوازیں نکالنے لگا اور ان پر حملہ کرنے کا انداز اختیار کرنے لگا۔ عظمیٰ نے یہ دیکھ کر تصاویر چھپالیں اور کہا۔

عظمیٰ: تم لوگوں نے صحیح پہچانا یہ وہی لوگ ہیں۔ لیکن اب یہ وسطی افریقہ کے استوائی علاقے زائر میں چھپے ہوئے ہیں۔ استوائی اس لیے کہ وہیں سے خط استوا گزرتا ہے۔ وہاں یہ لوگ اپنے نام بدل کر رہ رہے ہیں۔ یہ تو معلوم ہوا کہ شفقن گوما کے نام سے رہ رہا ہے لیکن مکوڑی کے نام کا پتہ نہ چل سکا۔ بہر حال یہ لوگ کچھ افریقی ممالک کے راز ڈی کوڈ (Decode) کروانا چاہتے ہیں۔ اسی لیے سدھا کر کو اغوا اور قید کر رکھا ہے اور انھی سے یہ راز ڈی کوڈ کروانا چاہتے ہیں۔ لیکن لگتا ہے وہ ابھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو پائے۔ زائر میں ایک غلام منڈی لگتی ہے جہاں غلام فروخت ہوتے ہیں۔ آدم خور انھیں خرید کر لے جاتے ہیں ان میں سے کچھ لوگوں کو تو تل بھون کر کھا جاتے ہیں اور کچھ غلام عورتوں کو امور خانہ داری میں کچھ دن مصروف رکھا جاتا ہے۔ آدم خور قبائل علی الاعلان آدم خوری کرتے ہیں۔ وہ منتروں کے جاپ میں زندہ آدمی کی بلی چڑھانے سے قبل اس کے ساتھ نہایت وحشیانہ سلوک روا رکھتے ہیں کہ اس کے جسم کے ٹکڑے کاٹے جاتے ہیں اور کھولتا ہوا تاڑ کا تیل یا تو اس کے حلق میں انڈیلا جاتا ہے یا انیما کی طرح اس کے بدن میں ڈالا جاتا ہے۔ منتروں کے جاپ میں اس قیدی کی چیخ و پکار دور دور تک سنائی دیتی ہے جب وہ مرجاتا ہے تو لاش کو تیل میں بھگو کر نہایت خستہ بنایا جاتا ہے۔ اس کے نرم و نازک ہاتھ پیر کی انگلیاں انھیں خوب مزہ دیتی ہیں اور گوشت کے بڑے بڑے لوتھڑے بھی مزے لے لے کر کھاتے ہیں۔ کھوپڑی کو البتہ قبیلے کے صرف چند بڑے بڑے لوگ ہی کھاتے ہیں۔ انسانی دل کو پیس کر اس کا سفوف اور چربی سے مرہم بناتے ہیں اور لڑائی کے وقت دل کے بھسم اور مرہم کو جسم پر مل کر جنگ میں کود جاتے ہیں تو ان کا خیال ہے کہ اس ٹوٹکے سے ان کی شجاعت، مردانگی اور بلند حوصلگی میں اضافہ ہو جاتا ہے اور وہ دشمن پر فتحیاب ہو سکتے ہیں۔

شبو: یہ تو بڑے خونخوار قسم کے لوگ ہوتے ہیں بھلا ہمارا اُن سے کیا تعلق؟

عظمیٰ: ہم اس غلام منڈی میں آپ کو بیچنا چاہتے ہیں۔

بگو: ہیں! وہ تو ہمیں بھون کر کھا جائیں گے! (پھر رونی صورت بنا کر کہتی ہے) آپ اپنے آدمی کو بچانے کی

خاطر ہمیں آدم خوروں کا چارہ بنانا چاہتی ہیں؟

شنّو: ہم نے آپ کو اپنا ہمدرد جانا اور آپ کا یہ منصوبہ! کف افسوس ملتی ہے۔

مدار: میڈم یہاں نہیں تو وہاں سے تو ہم کسی طور پر بچ ہی نکل بھاگیں گے مگر میرے سندر کا کیا ہوگا؟

عظمیٰ: نہ تو سندر کا بال بیکا ہوگا اور نہ تم میں سے کسی کا۔ ہمیں اپنے ہر آدمی کی طرح تم بھی بہت پیارے ہو۔ پھر تمھارے گروپ میں ابرار جیسا جی دار قائد شامل ہے جس کے محض نام سے دشمن کانپ جاتا ہے۔ یہ کس نے کہا کہ تمھیں ان کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے گا بلکہ تمھارے ساتھ جدید ترین لاسلکی آلات ہوں گے جنھیں دشمن کبھی پا نہ سکے گا۔ مزید یہ کہ مناسب فاصلے پر کمانڈوز تمھاری مدد کے لیے مستعد رہیں گے جو طاقتور دوربینوں سے تم پر ہر وقت نظر رکھے ہوئے ہوں گے۔ اس مہم کی کامیابی کے بعد دنیا جہان میں تمھارا نام ہوگا اور ابھی سے تمھاری ہمت جواب دے گئی ہو تو تم لوگ آزاد ہو اور آرام سے جا سکتے ہو ہم کوئی اور بندوبست کرلیں گے۔

ابرار: میڈم آپ اس طرح جری جماعت کو مایوس نہ کریں۔ آپ بخوبی واقف ہیں کہ ہم میں سے ہر ایک بشمول سندر بے پناہ صلاحیتوں کا مالک ہے اور اپنے ملک کی خاطر جان نثار کرسکتا ہے۔ اس لیے میں اپنے گروپ کی جانب سے آپ کی پیش کش کو قبول کرتا ہوں۔ اور نہ صرف شری سدھاکر کو آزاد کرائیں گے بلکہ مجرموں کو ختم کر کے آدم خور قبائل کو مرکزی سماجی دھارے میں لا کر باعزت زندگی گزارنے پر راغب کریں گے۔

اس پر تمام ممبران نے ابرار کا ساتھ دینے کی حامی بھرلی۔

عظمیٰ: (خوشی کا اظہار کرتے ہوئے) میں آپ کے اس فیصلے سے بہت خوش ہوں۔ آپ کو ٹیلی کمیونکیشن کی چپس دی جائیں گی جو آپ کی گردن کے قریب جلد میں عارضی طور پر پیوست ہوں گی۔ جوتوں میں انگوٹھے سے قریب کیل جیسا آلہ ہوگا جو لوہے کی پرت میں بھی سوراخ کرسکتا ہے۔ اور چھوٹے چھوٹے طمنچے جو اپنی سہولت سے کہیں بھی چھپا سکتے ہو۔ (مدار کی جانب رخ کر کے) اور سندر تو تمھارے اشارے سمجھ سکتا ہے نا؟

مدار: جی میڈم نہ صرف میرے اشارے بلکہ دشمن کی چالیں بھی سمجھ کر ان کا توڑ کرسکتا ہے۔

عظمیٰ: ویری گڈ، مجھے یہی امید تھی۔ کل آپ کو بذریعہ ہیلی کاپٹر سیدھے زائر غلام مارکٹ میں پہنچا دیا جائے گا تیار رہیں کل علی الصبح چھ بجے فلائٹ روانہ ہوگی۔ چار گھنٹے کی پرواز کے بعد آپ اپنے ایجنٹ (کارندہ) کے ہمراہ غلام منڈی میں ہوں گے۔

غلام منڈی میں کاروبار اپنے عروج پر تھا۔ کئی غلام اور آدم خور خریدار چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے۔ ایک کارندہ دو مردانہ اور دو زنانہ غلاموں کے لیے ہانک لگا رہا تھا کہ چار غلام دس لاکھ روپے میں اور ساتھ میں ایک بندر مفت۔ ایک آدم خور گاہک آتا ہے اور کہتا ہے کہ ایسے دبلے پتلے غلام گوشت نام کو نہیں محض ہڈیاں چوسنی ہوں گی اور بندر کہاں ہے؟'' وہ جو جامن کے پیڑ پر بیٹھ کر تم پر جوٹھی گٹھلیاں اچھال رہا ہے۔ بہت شریر ہے۔'' ارے ہم اس کا کیا اچار بنائے گا؟ ویسے بھی یہ چلبلا جانور ہماری شریعت میں حرام ہے اور بھاؤ دینار میں کیوں نہیں بتاتا؟ یہ تمھیں بہت مہنگا پڑے گا ایک روپیہ کا چھ دینار ہوتا ہے۔ یہ سن کر یہ گاہک واپس چلا گیا۔ دو گھنٹے بعد لنچ کے دوران ایک نواب ہڈزا گوما اور ہڈزا غمزہ اپنی سواریوں

میں آئے لیکن ابرار کو دیکھ کر دونوں کے اوسان خطا ہو گئے اور منہ مانگی قیمت پر انھوں نے چاروں مرد و زن کو ہتھکڑیاں ڈال دیں اور چلتے بنے۔ کئی گاڑیوں پر مشتمل ان کا یہ قافلہ ایک ریتیلے ویرانے میں ٹھہرا جہاں عمارتوں یا عمارت کے بجائے جا بجا اور پے در پے سُرنگیں تھیں۔ موت کی سُرنگیں جنھیں بند کر دیا جائے تو قبر۔ گوما اور غمزہ دونوں اس مخمصے میں تھے کہ یہ وہی تو نہیں جس نے ہمیں بے بس کر دیا تھا! اگر وہی ہے تو یہ غلام کیسا؟ اگر وہ نہیں تو پھر کون ہے؟ پوچھ تاچھ کرتے ہیں۔ دونوں ان کے قریب آئے اور عربی میں سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔ چاروں ایک دوسرے کی شکلیں تکنے لگے جیسے کچھ سمجھ میں نہ آرہا ہو۔ پھر وہ آپس میں کہنے لگے، یہ یوں نہیں کہیں گے۔ انھیں دیگ میں کھڑا کر کے پانی گرم کرنا پڑے گا۔ اور وہ لنگور کہاں گیا دیکھا تو وہ ایک سرنگ کی گنبد پر بیٹھا جامن سے شغل کر رہا تھا۔ گنبد میں کھڑی سلاخوں کی مدد سے جالی بنی ہوئی تھی جس کے دروازے پر سخت پہرہ تھا اور کچھ اہلکار وہاں سے فائلیں لاتے اور لے جاتے رہے تھے۔ ابرار نے اندازہ لگایا کہ شاید وہیں سدھا کر قید ہو اور وہ سندر کی حرکتوں پر تعجب کرنے لگا۔

چاروں کو پانی سے بھری بڑی دیگوں میں کھڑا کیا گیا۔ سب کے لانگ شوز اتارے گئے مگر تلوے کے کھڑاویں چپکے رہے۔ ادھر گڑبڑ میں مدار کے لانگ بوٹ اترنے سے رہ گئے اور وہ جوتے سمیت اپنی دیگ میں براجمان ہو گئے۔ پانی جب گرم ہونے لگا تو جو سپاہی مدار کی دیگ پر پہرہ دے رہا تھا اس نے پوچھا ”ارے تم نے اپنے جوتے اتارے تھے یا نہیں؟“ مدار نے کہا ”جھانک کر دیکھ لو اگر نہ بھی اتارے تو کیا جوتے چمڑے کے ہیں اگر نرم پڑ جائیں تو تم چاٹ سکتے ہو۔“ سپاہی نے کہا ”جوتے چاٹنا تو انتہائی خوش آمد کو کہتے ہیں۔“ مدار نے مزید کہا ”تم نے صحیح پہچانا اگر اور بھی گل جائیں تو تم کھا بھی سکتے ہو۔“ سپاہی نے کہا ”جوتے کھانا تو بے دریغ مار کھانے کو کہتے ہیں۔ اور تمہارے دیگ کی آگ بجھی کیوں جا رہی ہے؟“ مدار نے کہا ”اس لیے کہ اب تمہارے جوتے کھانے کی باری آچکی ہے۔“ مدار کی دیگ کی طرح سبھی کے دیگوں کے الاؤ بجھتے جا رہے تھے۔ ابرار نے بلند آواز سے سبھی کو کہا کہ سندر والی سرنگ کو اپنے گھیرے میں لینا، وہیں سدھا کر ہوں گے۔ سب نے اپنے پیر کے اوزار سے اپنی ہتھکڑیاں کھول لیں۔ اتنے میں آسمان سے ہیلی کاپٹروں کی گرج سنائی دی۔ وہ نہایت قریبی اُڑان بھر رہے تھے۔ ان میں سے کچھ کمانڈوز اتر پڑے۔ انھوں نے ایل ایم جی سب کے ہاتھوں میں تھما دی اور سب نے پوزیشن لے لی۔ سرنگوں سے عسکریت پسندوں کے جتھے نکل کر سندر والی سرنگ کی حفاظت کے لیے بڑھنے لگے لیکن شبّو اور بگّو کے ہمراہ دستوں نے ان کی ایک نہ چلنے دی۔ ابرار اور مدار گنبد والی سرنگ کی جانب لڑتے بھڑتے بڑھتے گئے اور اس کے گیٹ کے قفل کو اپنی گن سے اڑا کر اندر داخل ہو گئے۔ وہاں سُدھا کر ایک اسٹول پر بیٹھے صحیح سلامت نظر آئے۔ انھیں اپنی حفاظت میں لیا گیا لیکن اس معرکہ میں گوما اور غمزہ کہاں رفو چکر ہو گئے پتہ نہ چلا۔ انھیں لاکھ ڈھونڈا مگر ان کا سراغ نہ ملا۔ ناچار واپس ہونا پڑا۔

عظمیٰ نے ابرار اینڈ پارٹی کو اس کامیابی پر مبارکباد دی لیکن گوما اور غمزہ کی فراری کا افسوس بھی ظاہر کیا۔ سندر اپنی سیٹ پر بیٹھا ابھی تک جامن چوس رہا تھا۔

■

Mustafa Nadeem Khan Gauri
Zarrin Villa, B-11, Green Valley
Roza Bagh
Aurangabad - 431001 (Maharashtra)

یوسف رامپوری

وقت کا صحیح استعمال

(گاندھی جی کی نصیحت)

قدرت نے انسان کو بے شمار قیمتی نعمتوں سے نوازا ہے۔ ان میں سے ایک بہترین اور نہایت قیمتی نعمت وقت ہے، جو شخص اس نعمت کی قدر کرتا ہے اور اس کا صحیح استعمال کرتا ہے، کامیابی اس کے قدم چومتی ہے اور جو شخص لایعنی باتوں اور چیزوں میں اپنا وقت گزار دیتا ہے، اس کے حصے میں ناکامی و نامرادی آتی ہے۔ وقت کے بارے میں کسی نے بہت قیمتی بات کہی ہے: ''الوقت اثمنُ من الذہب'' (وقت سونے یعنی گولڈ سے بھی زیادہ قیمتی ہے)، انگریزی میں اسے Time is Money کہا جاتا ہے۔ اب جس طرح انسان سونے، روپے پیسے وغیرہ کی حفاظت کرتا ہے، اسے محفوظ جگہ رکھتا ہے اور صحیح جگہ خرچ کرتا ہے، اسی طرح وقت کی بھی حفاظت ضروری اور اس کو صحیح جگہ استعمال کیا جانا چاہیے۔

تاریخ گواہ ہے کہ جن لوگوں نے اپنے وقت کی قدر و حفاظت کی، ٹائم کے مینجمنٹ پر زور دیا اور اس کا صحیح استعمال کیا، وہ دنیا میں بڑے بڑے کام کر گئے۔ مثلاً بہت سے لوگوں نے اپنی مختصر سی زندگی میں بہت سے علوم و فنون حاصل کیے، بہت سوں نے مختلف میدانوں میں تحقیقات کر کے آنے والی نسلوں کی ترقی کے لیے قیمتی نقوش چھوڑے، بہت سوں نے تعلیمی ادارے قائم کیے، کتنے ایسے بھی تھے جنھوں نے سائنسی میدان میں قدم رکھ کر ایجادات و مصنوعات کے انبار لگا دیے جن سے کروڑوں اربوں انسان آج بھی استفادہ کر رہے ہیں، اسی لیے گاندھی جی نے وقت کی قدر اور اس کے صحیح استعمال پر لوگوں کی توجہ کو مرکوز کرایا ہے۔ انھوں نے پہلے خود اس پر عمل کیا اور پھر دوسروں کو اس کی ترغیب دی۔

گاندھی جی نے بہت سی کتابوں کا مطالعہ کیا، مختلف مذاہب و نظریات کو پڑھا، اسفار و تجربات کیے، دنیا میں رونما ہونے والے انقلابات کے اسباب و عوامل پر غور کیا، قوموں کی زندگیوں میں کامیابی و ناکامی کے اسباب ڈھونڈے۔ ان کی شخصیت کا کمال یہ تھا کہ جس میدان میں بھی انھوں نے قدم رکھا، اس میں کامیابی حاصل کی۔ علم کے حصول اور مطالعے کے انہماک نے انھیں وقت کا اہم مدبر، مصلح اور مفکر بنا دیا کہ ان کی پیش کردہ تعلیمات اور نصیحتیں بلاتفریق مذہب و ملت تمام

لوگوں کے لیے نہایت قیمتی اثاثے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ پوری انسانیت سے محبت، باشندگانِ ہند کے جذبات واحساسات کا احترام، اور وطن کے لیے مر مٹنے کا جذبہ ان کے اندر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اپنے وطن اور ہم وطنوں کی آزادی کی خاطر مسلسل جدوجہد کرنا ان کا عظیم کارنامہ ہے۔ وہ آزادی کی راہوں میں اس وقت تک چلتے رہے جب تک کہ ملک آزاد نہیں ہوگیا۔ یہی وجہ ہے کہ گاندھی جی کو ہندوستان کی آزادی کے ہیرو کی حیثیت سے جانا جاتا ہے، لیکن یہ سب اسی وقت ممکن ہوسکا جب انھوں نے اپنے وقت کا بھرپور اور صحیح استعمال کیا۔ گاندھی جی جانتے تھے کہ بالعموم دیرپا کامیابی کے پیچھے 'وقت' ہی ہوتا ہے، اسی لیے انھوں نے لوگوں کو اس طرف متوجہ کیا کہ وہ کسی بھی قیمت پر اپنے وقت کو برباد نہ ہونے دیں۔ اسی مناسبت سے انھوں نے اپنی کٹیا میں یہ تین باتیں لکھوادی تھیں کہ:

کام جلد کرو

بات کم کرو

اس کے بعد چلے جاؤ

کام جلد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وقت پر کام کیا جائے، اس میں تاخیر نہ کی جائے۔ بہت سے لوگ ٹال مٹول سے کام لیتے ہیں، کل کرلیں گے، پرسوں کرلیں گے، ایک ہفتے کے بعد کرلیں گے، وغیرہ وغیرہ۔ ایسے لوگوں کا کام ہمیشہ مؤخر ہوتا رہتا ہے، اسی لیے لقمان حکیم نے بھی اپنے بیٹے کو نصیحتیں کرتے ہوئے کہا تھا ''آج کا کام کل پر مت ٹال''۔

'بات کم کرو' بھی ایک معنی خیز مقولہ ہے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ وہ لوگ جو زیادہ باتیں کرتے ہیں وہ کام کم کرتے ہیں۔ اسی لیے فارسی میں یہ کہاوت بہت مشہور ہوئی ہے ''کم گفتن، کم خفتن، کم خوردن'' یعنی کم بولنا، کم سونا اور کم کھانا'' یعنی دنیا میں وہ شخص عقلمند ہے جو کم کھاتا، کم سوتا اور کم بولتا ہے۔

گاندھی جی کی کٹیا میں لکھا گیا یہ جملہ ''اس کے بعد چلے جاؤ'' بھی اپنے اندر بھرپور معنویت رکھتا ہے۔ یعنی جب بات پوری ہوجائے، یا مقصد حاصل ہوجائے تو پھر مزید بیٹھ کر وقت ضائع کرنا ہرگز عقلمندی نہیں ہے، اس لیے خواہ مخواہ بیٹھنے کی بجائے اپنے کام میں لگ جانا چاہیے۔ گاندھی جی کی مذکورہ نصیحتیں دراصل وقت کی قدر اور اس کے استعمال کی طرف لوگوں کی توجہ کو مرکوز کراتی ہیں۔ وقت کے استعمال سے مراد 'وقت کا صحیح استعمال' ہے۔ بہت سے لوگ اپنے وقت کا استعمال تعمیری کاموں کی بجائے تخریبی کاموں کے لیے کرتے ہیں، مثبت چیزوں کی جگہ منفی چیزوں میں اپنا وقت گزارتے ہیں، ایسے لوگ حقیقی کامیابی سے دور رہتے ہیں۔ اس لیے اس بات پر دھیان رہنا چاہیے کہ وقت کا استعمال کہاں اور کن چیزوں میں ہورہا ہے، زندگی بہت مختصر اور بہت قیمتی ہے، گزرنے کے بعد وقت واپس نہیں آتا، جو وقت گزر گیا، سو گزر گیا۔ Lost time is never found again۔ اگر بچپن گزر گیا تو بچپن پھر کبھی واپس نہیں آتا۔ چاہے کوئی اپنے بچپن کو کتنا ہی کیوں نہ یاد کرے اور اس کی واپسی کی تمنا کیوں نہ کرے، اسی طرح جوانی جب چلی جاتی ہے تو وہ بھی کسی طور واپس نہیں لوٹتی، چاہے انسان اس کی کتنی ہی خواہش کیوں نہ کرے۔ ایک عرب شاعر کتنی حسرت ویاس کے ساتھ اپنی جوانی کی واپسی کی تمنا کرتا ہے:

اَلا لیتَ الشبابَ یعودُ یوماً

فَأُخبِرَہٗ بِمَا فَعلَ المَشِیبُ

اے کاش جوانی لوٹ آتی تو میں اسے بتاتا کہ بڑھاپے نے کیا کیا ظلم ڈھائے۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ وقت گزرنے کے بعد اس بات کا احساس نہیں ہوتا کہ ہم نے کتنا لمبا عرصہ گزار دیا، بلکہ طویل سے طویل عرصہ بھی بہت مختصر لگتا ہے۔ جب انسان موت کے قریب ہوتا ہے تو زندگی کے ساٹھ، ستر سال گزارنے کے بعد بھی اسے یوں لگتا ہے جیسے وہ ابھی دنیا میں آیا ہی تھا۔ ابھی وہ بچہ تھا، ابھی جوان تھا اور ابھی بوڑھا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ جب موت کا فرشتہ ان کی روح قبض کرنے کے لیے آیا تو اس نے آپ سے دنیا کے بارے میں معلوم کیا کہ آپ نے دنیا کو کیسا پایا؟ اس پر حضرت نے فرمایا: اس گھر کی طرح پایا، جس کے دو دروازے ہوں۔ میں ایک دروازے سے داخل ہوا اور دوسرے سے نکل آیا' جب کہ روایات میں آتا ہے کہ حضرت نوحؑ کی عمر ساڑھے نو سو برس کی ہوئی تھی۔ غور کیجیے کہ نو سو سال سے زائد کا عرصہ بھی موت کے وقت پل بھر محسوس ہوا۔ ایک عرب شاعر نے تیزی کے ساتھ گزرتے وقت اور عمر کا نقشہ اس انداز میں کھینچا ہے کہ ”آدمی اپنی عمر کی پشت پر سوار ہو کر ایک ایسے سفر پر رواں دواں ہے، جو اسے دن اور مہینہ کے ذریعے پناہ کی گھاٹ اتار رہا ہے، وہ روزانہ صبح و شام اس حال میں آ رہا ہے کہ دنیا سے دور ہو رہا ہے اور قبر سے قریب۔“

اسی لیے بہت سے علما و حکما نے موت کو یاد رکھنے کی تلقین کی ہے اور کہا ہے کہ انسان ہر دن اور ہر لمحہ موت کے قریب ہوتا جا رہا ہے، تاکہ وہ غلط کاموں سے بچا رہے اور جو وقت بھی اسے اس زندگی میں ملا ہے، اس کو ضائع نہ ہونے دے۔ ایسے کام کرے جس پر اس کا دل ہمیشہ مطمئن رہے۔ اس کے کاموں سے اسے بھی فائدہ ملے اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچے۔

وقت کی قدر و قیمت کے حوالے سے گاندھی جی کی مذکورہ نصیحتیں اگرچہ ان کے عہد میں بھی قیمتی تھیں، مگر موجودہ زمانے میں ان کی معنویت میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا ہے، اس لیے کہ اس زمانے میں تضییع اوقات کے بہت سے سامان ہر جگہ مہیا ہیں۔ ٹی وی، انٹرنیٹ، موبائل اور انواع واقسام کے دیگر آلات و مصنوعات تک رسائی آج کے انسان کے لیے آسان ہو گئی ہے۔ بلاشبہ یہ سب چیزیں مفید بھی ہیں، لیکن ان آلات و مصنوعات کے ذریعے انسان بہت سی لایعنی چیزوں میں بھی اپنا اچھا خاصا وقت گزار سکتا ہے، کیونکہ مفید و غیر مفید، مثبت اور منفی، ہر طرح کے مواد کا بہت بڑا ذخیرہ یہاں موجود ہے۔ مشاہدہ بتاتا ہے کہ دنیا بھر میں کروڑوں انسان انٹرنیٹ پر اپنا بہت سا وقت برباد کر رہے ہیں، کتنی رپورٹیں اس راز کو منکشف کرتی ہیں کہ کروڑوں لوگ کمپیوٹر اور موبائل کی اسکرین پر انٹرنیٹ کے ذریعے مخرب الاخلاق ویب سائٹوں پر اپنا قیمتی وقت خرچ کر رہے ہیں۔ گویا کہ ذرا سی بھی بے احتیاطی و لاپرواہی سے لاکھوں کروڑوں افراد کا نہ صرف وقت برباد ہو رہا ہے بلکہ صحت بھی تباہ ہو رہی ہے، علاوہ ازیں مخرب الاخلاق چیزیں انسانیت پر الگ اثر انداز ہو رہی ہیں۔ کتنے لوگ ایسے بھی ہیں جو تیری میری اس کی باتوں میں اپنا وقت صرف کر رہے ہیں، اور کتنے یوں ہی عمر کو دھکا دے رہے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ گاندھی جی کی مذکورہ نصیحتوں کو اس دور میں ہر فرد خاص طور پر ذہن میں رکھے اور ان پر عمل کرے، ہر شخص اپنے شب و روز کا محاسبہ کرتا رہے کہ کہیں اس کا وقت غلط جگہ غلط باتوں میں تو برباد نہیں ہو رہا ہے۔

■

MD Yusuf
Foundation House, Raza Appt, Opp. St.18
Zakir Nagar, Jamia Nagar
New Delhi - 110025

سید شمیم احمد مدنی

سائنس کیا ہے؟

بچو! اسکول اور کالجوں میں عام طور پر طلبا فزکس، کیمسٹری، میتھ، بایولوجی اور بوٹنی جیسے مضامین کو ہی سائنس سمجھتے ہیں۔ ایسا سمجھنا غلط ہے۔ سائنس کے لغوی معنی علم وحکمت کے ہیں۔ اگر اس سے مراد مذکورہ مضامین ہوتے تو پھر سوشل سائنس اور پولیٹیکل سائنس کے کیا معنی؟

اٹھارہویں صدی میں یوروپ کے مشینی انقلاب کے بعد ہی علمی ماحول میں سائنس کے لفظ کا استعمال کیا جانے لگا جو آج زبان زد عام ہے۔ اس سے پہلے قدیم یونان، روم اور قرون وسطیٰ کے اسلامی دور میں اس کی جگہ فلسفے کی اصطلاح مستعمل تھی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ علم فلسفہ ہی ہے جس کے بطن سے دیگر سارے علوم کی ابتدا ہوئی ہے۔

بچو! حیات وکائنات میں موجود اشیا سے واقفیت کو ہی علم کہا جاتا ہے۔ اشیا دو طرح کی ہوتی ہیں۔ ایک قابل مشاہدہ اشیا یعنی جن کو دیکھا اور گرفت میں لیا جاسکتا ہے۔ دوسری وہ جو نا قابل مشاہدہ ہوتی ہیں مگر ان کو محسوس کیا جاسکتا ہے اور جن کو اصول مطابقت (Principle of compatability) کی بنیاد پر ثابت کیا جاسکتا ہے۔ یعنی اگر وہ قابل مشاہدہ اشیا کے سلسلے میں دریافت کردہ مقدمات (Premises) سے مطابقت رکھتا ہو تو اس کے وجود کو تسلیم کیا جاسکتا ہے۔

علم دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو محض کسی ذریعے سے فراہم کردہ معلومات کی بنیاد پر حاصل کیا جاتا ہے۔ یہ سادہ علم ہے جو محض خبر (Information) پر منحصر ہوتا ہے جس میں

مشاہدہ (Observation) اور تجربہ (Experiment) نہیں ہوتا۔ مثلاً کلاس روم میں ٹیچر بچوں کو پانی دکھلا کر بتاتا ہے کہ یہ دو گیسوں یعنی ہائڈروجن اور آکسیجن کا مجموعہ ہے۔ بچے بے چون و چرا مان لیتے ہیں، مگر جب استاد بچوں کو تجربہ گاہ (Laboratory) میں لے جاکر دونوں گیسوں کو ملا کر پانی بنا دیتا ہے اور بچے مشاہدہ کرکے خود تجربہ کرلیتے ہیں تو یہ علم مشاہداتی اور تجرباتی علم ہو جاتا ہے۔ اسی کو یقینی علم یا سائنس (Science) کہتے ہیں۔

سائنس دراصل اشیا کی حقیقت سے واقفیت کے لیے حتمی یقین کے مرحلے تک پہنچنا چاہتی ہے۔ اس کو مسلم مفکر اور دانشور امام غزالی نے بہت ہی خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے کہ علم کی ابتدا شک سے ہوتی ہے۔ شک کے بعد تجسس، اس کے بعد حیرت پھر انکشاف اور آخر میں یقین یعنی Conviction کا مرحلہ آتا ہے۔ چنانچہ اس بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مذکورہ پانچ مراحل سے گزر کر حاصل ہونے والا علم ہی سائنس کہلاتا ہے۔ دانشوروں کا کہنا ہے کہ مشاہدے اور تجربے کی بنیاد پر مادّے کے وجود کی توجیہ (Explain) کرنے کے عمل کو سائنس کہتے ہیں۔

سائنس اشیا کی پہچان تک ہی اپنے علم کو محدود نہیں رکھنا چاہتی۔ مادّے کی پیدائش (Origin)، سبب پیدائش (Cause)، ساخت (Structure)، عناصر ترکیبی (Composition)، رنگ، کثافت (Density)، ضخامت (Mass)، محیط (Extent)، وزن، استقامت (Durability)، ردعمل (Reaction)، نقطہ گداز (Melting point)، نقطہ انجماد (Freezing point)، نقطہ ابال (Boiling point) اور آخر میں اس کی افادیت (Utility) وغیرہ تمام پہلوؤں کا بہت گہرائی سے جائزہ لینے کا کام کرتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس مادّے کے دقیق سے دقیق جز سے واقفیت سائنسداں کی کوشش ہوا کرتی ہے۔ ایٹم، اس کے اجزا نکلیس، الیٹران، پروٹان کے اندرون آئیسوٹوپ (Isotope) اور اس کے اندر خلیہ (Cell)۔ انسانی ہاتھ خلیے تک ہی نہیں پہنچے بلکہ اس کو چیر پھاڑ کر اس کے مغز کو نکال پھینکا اور مصنوعی مغز ڈال کر نیا عنصر تخلیق کر ڈالا۔ عناصر 95 تھے جواب بڑھ کر 105 ہو چکے ہیں۔ سائنسی تحقیق کا یہ ایک معجزہ ہے۔ اسی لیے ہمارے سابق صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم نے کبھی کہا تھا:

"Research is to know more and more about less and less."

سائنسی علم کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ایک کبھی نہ ختم ہونے والا علمی عمل ہے بلکہ ایک تحریک ہے جس میں بلا لحاظ فکر و عقیدہ اور علاقہ دو یا دو سے زیادہ افراد ایک دوسرے سے ناواقف ہونے کے باوجود کسی ایک نقطۂ تحقیق پر سرگرداں رہتے ہیں۔ حاصل شدہ نتائج کو عام کرتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ نتائج پر تنقید اور سوالات کا استقبال بھی کرتے ہیں جس سے تحقیق و جستجو کا راستہ کھلا رہتا ہے۔ تلاش و جستجو جاری رہتی ہے۔ سائنٹفک ترقی کا یہی راز ہے۔

نوٹ : اس مضمون کی تیاری میں درج ذیل کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔

1. علم تعلیم اور مسلمان۔ سید شمیم احمد مدنی
2. Islam At the Cross Road – Leopold MAsad
3. مسلمان اور سائنس: پرویز امیر علی ہود بھائی۔
4. مسلمان سائنسداں از ابراہیم عمادی ندوی۔

(تعارف مارچ 2022 کے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

■

Syed Shamim Ahmad
05, Cross Road, 10/A
Azad Nagar, P.O. Mango
Jamshedpur - 831912 (Jharkhand)

اخلاقیات کے مقاصد

چودھری قیصر جہاں

ہم روزمرہ کی زندگی میں مختلف کاموں کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ کام اچھا ہے وہ کام برا ہے، یہ نیکی ہے وہ بدی ہے، یہ ٹھیک ہے وہ غلط ہے۔ آخر ہمارے پاس وہ کون سا پیمانہ ہے جس سے ہم اچھائی اور برائی میں فرق کرتے ہیں؟ ہم کیسے پرکھتے ہیں کہ سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا ہے، اعلیٰ کیا ہے اور ادنیٰ کیا ہے؟

اس طرح اگر ہم اپنے آس پاس رہنے بسنے والوں یا اپنے دوستوں اور رشتے داروں کا جائزہ لیں تو ہم دیکھیں گے کہ زندگی کے بارے میں ان کے نظریات مختلف ہیں۔ کوئی علم حاصل کرنا چاہتا ہے تاکہ کسی اونچے عہدے پر فائز ہو، کوئی دن رات ایک کر کے دولت حاصل کرنا چاہتا ہے تاکہ زندگی عیش و آرام سے گزرے، کوئی شہرت پالینے کا آرزومند ہے، کوئی خدمت خلق کو زندگی کا سب سے بڑا مقصد قرار دیتا ہے۔

اگر مختلف انسانوں کے ان مختلف نظریوں اور مقاصد پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ مقاصد اور نظریات سب انسانوں کے لیے قابل قبول یا پسندیدہ نہیں ٹھہرتے۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کیا کچھ نظریات اور مقاصد ایسے بھی ہیں جو سب کے لیے پسندیدہ ہوں اور سب انھیں مقاصد اور اعمال کو زندگی کی اصل غرض قرار دیں۔ پھر وہی نمائش ہمارے اچھے یا برے اعمال کی پرکھ کا پیمانہ بن جائے۔

ایسی ہی باتیں ہیں جن کا تعلق اخلاقیات Ethics سے ہے۔ ہمیں یوں سمجھنا چاہیے کہ اخلاقیات ایک ایسا علم ہے جس سے اچھے اور برے کی تمیز ہوتی ہے۔ اس سے لوگوں کے باہمی تعلقات اور معاملات کے سلسلے میں رہنمائی ملتی ہے کہ ان کی

نوعیت کیا ہے۔ یہ ایسے وصول وضع کرتا ہے جن سے انسانی کردار کے صحیح مقاصد کی حقیقی قدر و قیمت متعین ہوسکے۔

چنانچہ اخلاقیات کی تعریف ہم ان الفاظ میں کرسکتے ہیں ”یہ انسانی اعمال کا ان کی اچھائی اور برائی کے نقطۂ نظر سے ایک ایسا باقاعدہ مطالعہ ہے جس کے ذریعے سچی خوشی حاصل ہوسکے۔“

اخلاقیات کا موضوع

اخلاقی نقطۂ نظر سے تمام انسانی اعمال اہم نہیں سمجھے جاتے۔ ہم اپنی آسانی کے لیے انسانی اعمال کو دو حصوں میں تقسیم کرسکتے ہیں:

غیر اختیاری یا غیر ارادی افعال

انسان کے بہت سارے افعال و اعمال ایسے ہوتے ہیں جو اس سے نادانستہ طور پر سرزد ہوتے ہیں۔ ان میں انسان کے ارادے اور اختیار کو کوئی دخل نہیں ہوتا، مثلاً سانس لینا یا کبھی سیڑھی اترتے ہوئے پھسل جانا۔ اس قسم کے کاموں کے لیے انسان اپنے آپ کو معقول طور پر ذمے دار نہیں ٹھہرا سکتا اور ان کے نتائج کی اخلاقی ذمے داری اس پر عائد نہیں کی جاسکتی۔ ایسے کام کو آپ ایک انسان کا فعل تو قرار دے سکتے ہیں لیکن صحیح معنوں میں انسانی فعل قرار نہیں دے سکتے اس لیے اس قسم کے اعمال کو اخلاقی قدر و فکر کے دائرے سے خارج سمجھنا چاہیے۔

اختیاری یا ارادی اعمال

انسان کے ایسے اعمال جو وہ دانستہ کرتا ہے، ارادی اعمال کہلاتے ہیں، کیونکہ وہ ایسے کام کرنے سے پہلے نتائج کے بارے میں ہی سوچ بچار کرلیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے اعمال کے لیے انسان کو کچھ نہ کچھ ذمے داری محسوس کرنی چاہیے۔ مثال کے طور پر ایک شخص موسم گرما میں لوگوں کے لیے ٹھنڈے پانی کا انتظام کرتا ہے جو خوب سوچ سمجھ کر مشقت اور اخراجات کا اندازہ لگا کر اس کی ابتدا کرتا ہے یا ایک دکان دار زیادہ منافع حاصل کرنے کے لیے کم تولتا ہے یا ملاوٹ کرتا ہے تو اچھے اور برے دونوں پہلو اس کے سامنے ہوتے ہیں اور وہ اپنے اختیار اور ارادے کے ساتھ عمل کرتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ اپنے اعمال کے لیے جواب دہ ہوتا ہے اور ایسے ہی اعمال انسانی اعمال کہے جانے کے مستحق ہیں۔ ایسے ہی اعمال کی بازپرس ہوتی ہے اور حساب کتاب لیا جاتا ہے۔ چنانچہ ایسے ہی اعمال اخلاقیات کا اصل موضوع ہیں کیونکہ یہ اعمال اچھے بھی ہوسکتے ہیں اور برے بھی۔

اخلاقیات کے مقاصد

اخلاقیات کا ایک بڑا مقصد یہ بتایا جاتا ہے کہ اس کا کام ہمارے ارادی افعال اور آزادانہ اعمال کی اس طرح ترتیب و تنظیم کرتا ہے کہ ان کے نتیجے میں ہمیں خوشی حاصل ہوسکے۔ گویا اچھائی اور نیکی کا کام کرنے سے ہمیں خوشی حاصل ہوتی ہے اور برائی کی باتوں سے افسوس اور رنج پہنچتا ہے۔ چنانچہ اچھے اور برے، خیر و شر میں تمیز کرنا اور انھیں الگ الگ پہچان لینا اخلاقیات کی تعلیم کا لازمی نتیجہ ہونا چاہیے۔

اخلاقیات کا مطالعہ کرنے والا اپنے اندر یہ خصوصیت پیدا کرسکتا ہے کہ وہ انسانی اعمال کا جائزہ لے کر ان پر صحیح تنقید کرے اور عملی نظریات اور قواعد کی مدد سے انھیں پرکھ سکے اور ان پر حکم لگا سکے یعنی ان کے اچھے اور برے ہونے کا فیصلہ کرسکے۔

اخلاقیات اصولوں اور قاعدوں کے مطالعے اور مباحثے تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ اس کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ وہ ہمیں صاحب عزم و ارادہ بنائے۔ ہم میں وہ جذبہ پیدا کردے کہ ہم اپنی زندگی کی راہوں کو حق و صداقت کی روشنی

میں منور کرسکیں اور اپنے اعمال کو اعلیٰ سے اعلیٰ درجے تک پہنچا سکیں۔ اس کا نتیجہ ہی ہوگا کہ ہم اپنی زندگی کو دوسروں کے لیے مثالی بنا کر پیش کرسکیں گے جو خیر وخوبی اور خدمت وانصاف کی خصوصیات کی مظہر ہوگی۔

اخلاقیات کی تقسیم عموماً تین حصوں میں کی جاتی ہے:

انفرادی اخلاقیات: یعنی انسانی اعمال کسی فرد کے خاص مقصد کے لیے اس کے مخصوص ذاتی مسائل و معاملات کے نتیجے میں سرزد ہوتے ہیں۔ ایسے اعمال پر حکم لگانا انفرادی اخلاقیات کا منصب تصور کیا جاتا ہے۔

خاندانی اخلاقیات: بعض اعمال کسی گروہ یا خاندان سے بطور ردعمل سرزد ہوتے ہیں۔ ان اعمال پر اس گروہ یا خاندان کی فرض کی روشنی میں حکم لگایا جاتا ہے۔ اسے ہم خاندانی اخلاقیات کا نام دیتے ہیں۔

اخلاقیات مملکت یا سیاست: کچھ انسانی اعمال ایسے بھی ہوتے ہیں جو ایک شخص سے بحیثیت ایک شہری کے ایک رکن کی حیثیت سے سرزد ہوتے ہیں۔ مملکت کا مقصد اس فرد کے مقصد سے ہم آہنگ نہیں ہوتا۔ ایسے اعمال کا سائنسی یا علمی جائزہ سیاست کہلاتا ہے۔ ہم اسے اخلاقیات مملکت کا نام بھی دے سکتے ہیں۔

■

Dr. Choudhary Qaisar Jahan
Asst Prof. DSR College of Education
Aurangabad - 431001 (Maharashtra)
Mob.: 8007773373

دنیا میں اہلِ علم کا ہوتا ہے احترام

حافظ کرناٹکی

حافظ کرناٹکی کا تعلق شکاری پور ضلع شیموگہ کرناٹک سے ہے۔ وہ ادب اطفال کے کل وقتی شاعر و ادیب ہیں۔ وہ بچوں کے لیے بہ کثرت رباعیاں، قطعات، لوریاں، نظمیں لکھ چکے ہیں۔ بچوں کی تعلیم و تربیت پر ان کی خصوصی توجہ ہے۔ انجمن اطفال کے زیر اہتمام انھوں نے بچوں کے لیے ’ندائے اطفال‘ کے نام سے ایک رسالہ بھی نکالا تھا۔ کرناٹک اردو اکادمی کے چیئرپرسن بھی رہ چکے ہیں۔ ادب اطفال میں ان کی خدمات کے اعتراف میں ساہتیہ اکادمی سے بال ساہتیہ پرسکار مل چکا ہے۔ انھیں تنقید سے بھی شغف ہے۔ نظم و نثر میں ان کی ایک سو دس کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ الیکٹرانک میڈیا میں بھی بہت فعال ہیں۔

بیٹھے بٹھائے علم بڑھائے مطالعہ
انساں کو باوقار بنائے مطالعہ

کیمسٹری کا علم بھی ہے منفعت نواز
حاصل کرو اِسے تو کھلیں گے ہزار راز

جنرل علوم پانا نصابی کتب کے ساتھ
یہ بھی ہے اک خزانا نصابی کتب کے ساتھ

کچھ کم نہیں کسی سے ریاضی کا علم بھی
یہ علم ہر طرح سے ہے بنیادِ زندگی

تاریخ کے جھروکوں میں جھانکو تو بات ہے
دیکھو وہاں بھی علم کی اک کائنات ہے

دُنیا میں اہلِ علم کا ہوتا ہے احترام
کیوں علم کے لیے نہ ہوں سرگرم ہم تمام

جو بھی کتاب ہاتھ لگے پڑھتے جایئے
اپنی صلاحیت کو کچھ ایسے بڑھایئے

حافظ حصول علم مسلماں پہ فرض ہے
ہر ذمّہ دار صاحبِ ایماں پہ فرض ہے

جغرافیہ بھی قابلِ تحصیل علم ہے
پیاسے خیال و خواب کی تکمیل علم ہے

■

Dr. Hafiz Karnataki
Abuzar Manzil, Jayanagar
First Cross
Shikaripur- 577427
Shimoga Dist.: (Karntaka State)
Mob.: 9900832077

عزیز انصاری

تین مصرعوں کی مختصر نظم 'ثلاثی'

خود کو جو دیس پر مٹاتا ہے
موت آتی نہیں کبھی اس کو
وہ شہیدوں میں نام پاتا ہے

جو ہے تقدیر میں وہ ملتا ہے
چاہے بدلے مزاج موسم کا
پھول دل کا ضرور کھلتا ہے

ہم تجھے کیسے محترم جانیں
اپنی محنت سے تو کما دولت
پھر اسے خرچ کر تو ہم جانیں

ان بزرگوں کا احترام کرو
روز اٹھ کر سویرے تم بچو!
اپنے ماں باپ کو سلام کرو

پتھروں سا تراشا جائے گا
صحبتیں رکھ شریف لوگوں کی
اس سے تجھ پر نکھار آئے گا

■

Aziz Ansri
13/1, Ushaganj (Khan Bahadur Compound)
Indore - 452001 (MP)
Mob.: 9329333156

پانی کی کہانی

شارق اعجاز عباسی

کیسے بنتا ہے یہ پانی؟
میں تم کو بتلاؤں کہانی
اس کے دو ہوتے ہیں حصّے
مل کر جو پانی ہیں بنتے

دو گیسیں ہیں جو جلتی ہیں
مل کر شیتل جل بنتی ہیں
اک ہے آگ جلانے والی
اک راکٹ کو اڑانے والی

مل جاتی ہیں دونوں جب یہ
بن جاتی ہیں پانی تب یہ
'ایچ ٹو' جب ملتا ہے 'او' سے
تو پانی کے پھوٹے جھرنے

جلنے اور جلانے والی
گیس ہی بن جاتی ہے پانی
اللہ کا ہے کھیل نرالا
جو دنیا کا ہے رکھوالا

پانی کی ہی ساری دنیا
بن پانی کے ہاری دنیا

جیون ہے پانی سے سارا
سیون کرتا ہے جگ سارا

اللہ کے سب بندے پیارے
پانی پیکر جیتے سارے
یہ مخلوق خدا کی ساری
پانی بن تو جی نہیں پاتی

دو قطرے پانی کے بدلے
راجا اپنا راج بھی دیدے
پر انسان بڑا نا شکرا
پانی کی ہے قدر نہ کرتا

ایسا کچھ ہم کر کے دکھائیں
مل کر کے یہ عزم اٹھائیں
پانی کی نعمت کو بچائیں
سب کو بھی یہ بات بتائیں

(تعارف جون 2021 کے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

■

Shriq Aijaz Abbasi
R-280/4, Flat No.: A-3, Ground Floor
Gali No.:7, Zakir Nagar
New Delhi - 110025

نظم

امان الحق بالاپوری

امان الحق بالاپوری کا تعلق اکولہ مہاراشٹر سے ہے۔ درس وتدریس کے پیشے سے وابستہ ہیں۔ بنیادی طور پر بچوں کے شاعر ہیں، بچوں کے ذوق کے مطابق آسان بحور اور لفظیات کا استعمال کرتے ہیں۔ ان کی اب تک تین کتابیں رنگ ترنگ، منورنجن اور گل کاریاں منظر عام پر آچکی ہیں۔ دو نظمیں ایک کرناٹک اور دوسری مہاراشٹر کے نصاب میں بھی شامل ہیں۔ ملک کے مؤقر رسائل میں ان کی تخلیقات شائع ہوتی رہتی ہیں۔ ادب اطفال کی خدمت کے اعتراف میں انھیں مختلف ادبی تنظیموں کی جانب سے انعامات واعزازات سے بھی نوازا گیا ہے۔

گھی اور شکر

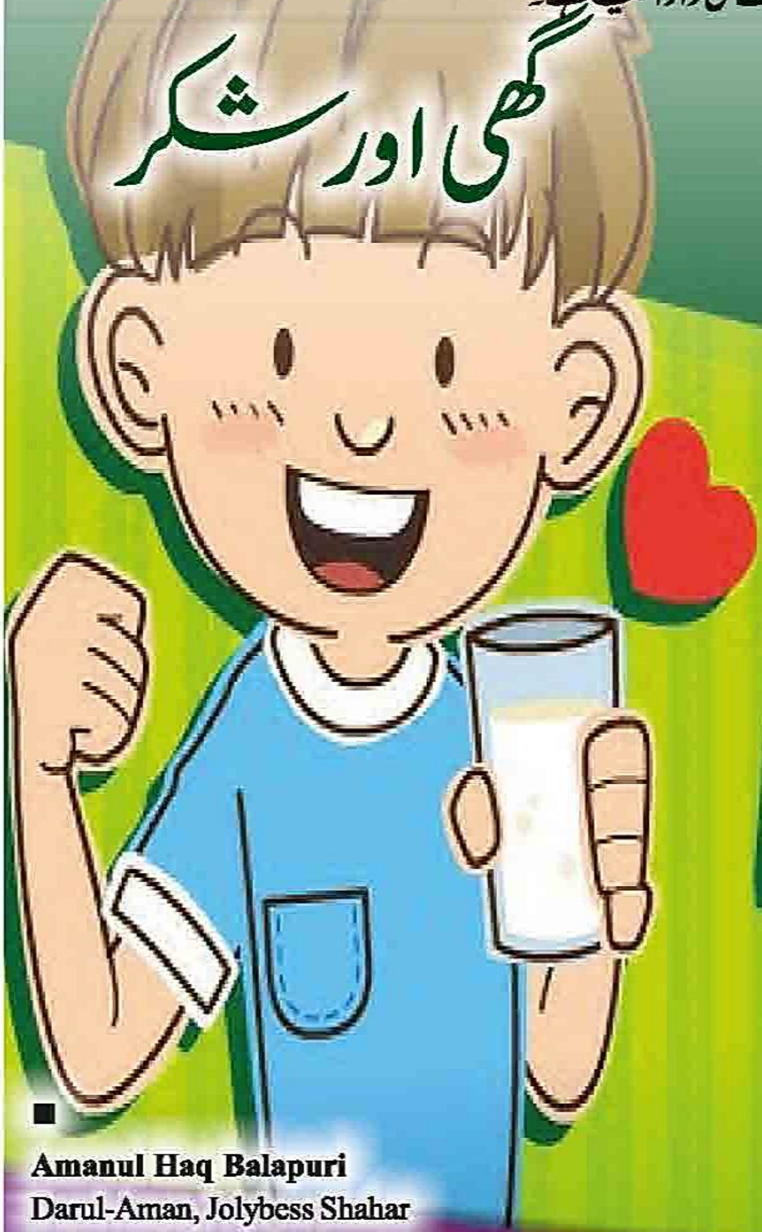

ایسا نہیں جی ایسا نہیں
پاس ہمارے پیسہ نہیں

برگر پزّا لانے کو
چاٹ مسالہ کھانے کو

میگی بھی لا سکتے ہیں
نوڈلز بھی کھا سکتے ہیں

پاستہ ہے مرغوب ہمیں
سینڈ وچ ہے محبوب ہمیں

لیکن دادی نے یہ کہا
رہنا ان سے دور سدا

ظاہر ان کا ہے بہتر
پر ان میں ہے میٹھا زہر

گھی شکر کے ساتھ روا
صحت کی ہے خاص دوا

دودھ ملائی کھاؤ تم
جسم توانا پاؤ تم

■

Amanul Haq Balapuri
Darul-Aman, Jolybess Shahar
Balapur- (Maharashtra)
Mob.: 9822695795

اپنے گھر میں شجر لگانا ہے

غلام معین الدین معین

غلام معین الدین خان کا تعلق سوائی مادھوپور راجستھان سے ہے۔ انھوں نے اردو اور ہندی زبانوں میں ایم اے کی تعلیم حاصل کی ہے۔ گورنمنٹ ہائر سیکنڈری اسکول، مدھیہ پردیش میں درس و تدریس سے وابستہ ہیں۔ بچوں کے لیے نظمیں لکھتے رہے ہیں۔ ان کی نظمیں ملک کے مختلف ادبی رسائل میں تواتر سے شائع ہوتی رہتی ہیں۔ انھوں نے اردو کے علاوہ ہندی میں بھی بچوں کے لیے نظمیں لکھی ہیں۔

جب کہ سورج قدم اٹھاتا ہے — نیند سے سب کو یہ جگاتا ہے
رب کی قدرت کا یہ کرشمہ ہے — نام اس کا صبح کا ہونا ہے
تتلیاں آگئی ہیں پھولوں پر — ننھے ننھے حسین جھولوں پر
ابا کہنے لگے یہ بچوں سے — بیٹھ جاؤ پڑھو! نہا دھو کے
یاد رب کو ہے ہر گھڑی کرنا — اس سے غافل نہ بھول کر رہنا
دیکھتا ہے ہر ایک بندے کو — ہندی، عربی کو گورے کالے کو
اس کی قدرت سے قمریاں بولیں — رس ہر اک کان میں سدا گھولیں
گیت گاتے ہیں پیارے پنچھی سب — لطف ملتا ہے مجھ کو گونا تب
مجھ کو ٹھنڈی ہوا یہ بھاتی ہے — باغ سے گھر میں جو کہ آتی ہے
ہم کو ماحول یہ بچانا ہے — اپنے گھر میں شجر لگانا ہے

ہم جو اس کے معین بن جائیں
پھر سے پربت حسین بن جائیں

■

Ghulam Moinuddin Moin
22, Station road, Jaora
Ratlam - 457226 (MP)

محمد وزیر عالم

بچے

اپنے وطن کی آن ہیں بچے
ملک کی شوکت و شان ہیں بچے
والد کا ارمان ہیں بچے
اپنی ماں کی جان ہیں بچے
پاکیزہ الفت کا پھل ہیں
قدرت کا فیضان ہیں بچے
گھر میں ان کے دم سے برکت
آنگن کی مسکان ہیں بچے
ان کی باتوں میں ہے خوشبو
سنبل اور ریحان ہیں بچے
ان سے مہکے دل کا گلشن
راحت کا سامان ہیں بچے
ان کو کوئی فکر نہیں ہے
ہر غم سے انجان ہیں بچے
چین سے اک پل بھی نہ بیٹھیں
آندھی اور طوفان ہیں بچے
بخش دو ان کی ساری خطائیں
بھولے اور نادان ہیں بچے
دنیا میں جنت کے پھول
عقبیٰ میں غلمان ہیں بچے

(تعارف مئی 2021 کے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

■

Md. Wazeer Alam
Madrasa Rahmatul Uloom
Naukatola, Hardiya, Raxaul
East Champaran - 845305 (Bihar)

فہیم احمد

ڈانٹ ڈپٹ

مجھے نہیں اچھی لگتی ہے
غصے والی ڈانٹ ڈپٹ

کون انھیں سمجھائے آخر
بچے ہی کرتے کھٹ پٹ

پاپا اکثر بے مطلب ہی
کان کھینچتے میرے
اٹھنے میں جو دیر ہوئی تو
آنکھیں رہیں تریرے

کروں ذرا سی بھی غلطی تو
ٹیچر ہوتے غصہ
ڈانٹ پلاتے سبھی مجھے ہی
یہی روز کا قصہ

کس تھانے میں ہوتی غصے
کی میں کردوں جہاں رپٹ

کوئی پری بھی کا غصہ
لے اڑ جائے چھین جھپٹ

امی ہر دم نصیحتوں کا
سبق ہمیں ہی بانٹیں
ٹوٹ ٹوٹ جاتا ننھا دل
جب بھی آپا ڈانٹیں

■

Dr. Faheem Ahmad
Asst. Prof., Dept of Hindi
Mahatma Gandhi Memorial (P.G) College
Chaudhary Sarai
Sambhal- 244302 (UP)
Mob.: 8896340824

احسان عالم

نظم

شیر کی خالہ

میری بلّی، شیر کی خالہ
مخمل جس کا ہے پہناوا
مونچھ بڑی اور آنکھیں چھوٹی
دُم لمبی اور ٹانگیں موٹی
پاؤں دَبے وہ گھر جب آتی
سیدھے کچن میں ہی گھُس جاتی
چٹ کر جاتی دودھ وہ میرا
مجھ کو بھوکے رہنا پڑتا
بھاری دُشمن ہے چوہے کی
دور سے اُس کو دیکھ وہ لیتی
اُس پر کرتی ایسے حملے
زد سے اِس کی، بچ نہیں پاتے
گھر آئی ہے جب سے میرے
بھاگ گئے ہیں چوہے سارے
جب مستی سے ہے وہ چلتی
سچ مُچ شیر کی خالہ لگتی

(تعارف دسمبر 2021 کے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

■

Ahsan Alam
Near Al-Hira Public School
Moh: Raham Khan, P.O. Lalbagh
Darbhanga - 846004 (Bihar)

ماں

علی شاہد دلکش

ماں میم کی ہے صورت
کومل ہے اس کی فطرت

ماں ہے خدا کی رحمت
عورت کی جس سے عظمت

'ماں' لفظ سب کو پیارا
اولاد کو ہے نیارا

حکمت حسیں ہے رب کی
ماں فکر کرتی سب کی

ماں مکتبِ وفا ہے
شفقت کی انتہا ہے

ایثار میں ہے یکتا
جیون بھی ماں سے بنتا

بہتر ہے ماں کی خدمت
ملتی ہے جس سے رفعت

ماں سے گھروں میں برکت
قدموں میں جس کے جنت

ممتا کی ہے سمندر
یوں ماں ہے خاکی پیکر

نو ماہ دکھ کو سہتی
ماں سے وجود بنتی

بیمار جب ہو بیٹا
ماں شب کو جاگے تنہا

ماں سر پہ چھاؤں رکھتی
خود دھوپ میں وہ پکتی

چپ چاپ درد سہتی
ظاہر کبھی نہ کرتی

بے مثل ماں کی ممتا
ہر حسن ماں پہ جمتا

انمول ماں کی شفقت
دریا سی جس کی وسعت

ماں سارے جگ کی دولت
جگ میں ہے جس سے شوکت

افضل ہے رتبہ ماں کا
بے لوث رشتہ ماں کا

روئے زمیں پہ شاہد
ماں زندگی کی رہبر

■

Ali Shahid Dilkash
Vill-Harinchawarah, Po-Ghughumari -736167
Distt.: Coochbehar (West Bengal)
Mob.: 8820239345

بچوں کو صحیح زبان سیکھنے پر توجہ دینی چاہیے: ممتاز انور

س: بچپن کی کونسی باتیں/شوخیاں/شرارتیں اب بھی آپ کو بہت یاد آتی ہیں؟

ج: بچپن کی یوں تو بہت ساری باتیں شوخیوں کے رنگ میں ہیں جو رہ رہ کر یاد آتی ہیں لیکن اس سوال کے جواب میں وہ واقعہ بتانا چاہتا ہوں جس نے میری سوچ بدل کر رکھ دی۔

واقعہ ان دنوں کا ہے جب میں علاقے کے کمرہٹی جونیئر ہائی اسکول میں درجہ ہفتم کا طالب علم تھا(بفضلہ تعالیٰ یہ اسکول ترقی کر کے اب ہائر سیکنڈری کا درجہ حاصل کر چکا ہے)۔ اسکول کی عمارت ان دنوں پختہ نہیں تھی۔ سامنے گیٹ سے گھستے ہی تین طرف اسکول کے کمرے ٹالی اور کھولے کے تھے جس میں اسٹاف روم، ہیڈ ماسٹرس روم اور آفس روم بھی شامل تھے۔ درمیانی حصے میں درجات کا آغاز ترانہ۔

لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری
زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری

سے ہوتا تھا اور آخری پیریڈ میں پریڈ Parade بھی اسی کھلے حصے میں ہوتا تھا۔ چھبیس جنوری، پندرہ اگست یا دوسرے کسی خاص موقعے پر طلبہ و طالبات یہیں جمع کیے جاتے جن سے اساتذہ کرام خطاب کرتے۔

کلاس شروع ہونے سے پہلے ترانہ پڑھانے کے لیے ایک لڑکا اسٹیج نما اونچی جگہ پر کھڑے ہو کر ترانہ پڑھاتا اور ترانہ پڑھنے والوں کی قطار میں کھڑے ہو کر میں بھی سب کی آواز میں آواز ملا کر ترانہ پڑھا کرتا تھا لیکن ایک دن اتفاق سے وہ لڑکا جو ترانہ پڑھاتا تھا نہیں آیا تو دوسرے پڑھانے والے کی تلاش ہوئی اور پھر تیسرے کی۔ اب یہ محض اتفاق ہی تھا کہ ترانہ پڑھانے کے لیے جن تین لڑکوں کو آواز دی گئی وہ تینوں ہی لڑکے اس دن غیر حاضر تھے ایسے میں ایک لڑکے نے سر کو مخاطب کر کے میری طرف اشارہ کر دیا اور سر کے کہنے پر اس دن ترانہ مجھے پڑھانا پڑا۔ اب کیا تھا، اس کے بعد بندھی ہوئی ڈیوٹی کی طرح یہ سلسلہ چل پڑا اور ترانہ پڑھانے کے لیے اب بس مجھے ہی بلایا جانے لگا۔ کچھ دنوں کے بعد میں نے ترانہ نہ پڑھانے کی ٹھان لی۔

ہر دن کی طرح میں اسکول تو پہنچا لیکن ٹھیک ترانے کے وقت میں باتھ روم میں گھس گیا۔ ادھر میرے اساتذہ کرام نے

ممتاز انور

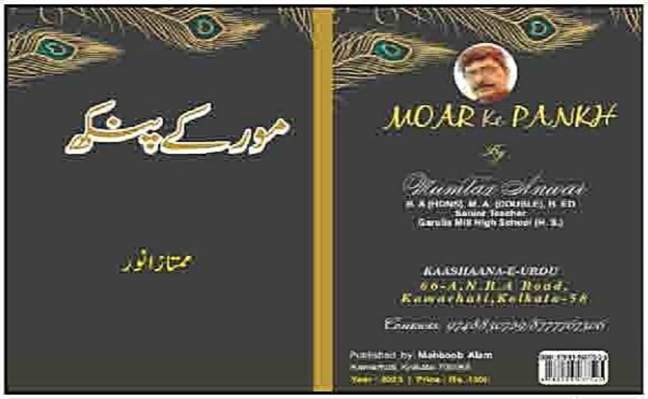

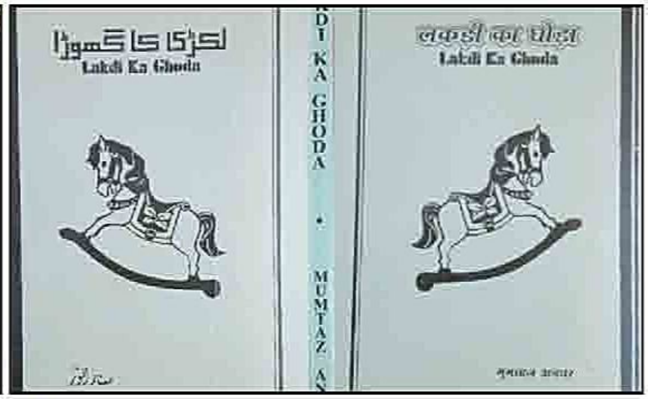

ممتاز انور کی کتابوں کے عکس

مجھے ڈھونڈنا شروع کیا، کئی بار میرے نام کی آواز لگائی گئی اور میں تھا کہ باتھ روم میں بند رہا۔ خیر اس دن تو پہلے ترانہ پڑھانے والوں میں سے ایک نے ترانہ پڑھا دیا، دوسرے دن میں نے پھر یہی عمل دہرایا اور تیسرے دن بھی ایسا ہی کیا۔ میری اس حرکت کو اساتذہ کرام نے نوٹ کیا اور انھیں یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ میں یہ حرکت جان بوجھ کر کر رہا ہوں۔ لہٰذا تیسرے دن پہلی گھنٹی میں مجھے ہیڈ ماسٹر سمیع اللہ انصاری نے بلوایا۔ میں تو ڈرا بیٹھا ہی تھا، بلاوا آتے ہی ڈھیر سارے ایسے ویسے خیالات ذہن میں آنے لگے اور ڈرا سہا میں سر کے حضور پہنچا تو سر نے قدرے نرمی سے مجھے سمجھایا کہ ”میں جان چکا ہوں کہ ترانہ پڑھانے کے ڈر سے تم ترانے کے وقت بھاگے رہتے ہو لیکن ایک اچھے اسٹوڈنٹ کے لیے یہ اچھا نہیں ہے، تمھارے اچھے انداز، خوش گلوئی اور صاف تلفظ کے سبب تمھیں یہ ذمے داری دی جاتی ہے ورنہ ترانہ پڑھانے کو کوئی بھی پڑھا سکتا ہے پھر تمھیں ڈھونڈنے کی کیا ضرورت ہے؟“ سر نے یہ بات اس قدر مؤثر انداز سے کہی کہ وہ سیدھے میرے دل میں اتر گئی اور اس کے بعد میں نے کبھی ترانہ پڑھانے سے فرار حاصل نہیں کیا۔

س : بچپن میں آپ کے پسندیدہ مصنفین کون تھے اور اب کون ہیں؟

ج : پسندیدہ مصنفین میں اسماعیل میرٹھی اور علامہ اقبال تھے اور آج بھی ہیں۔ اسماعیل میرٹھی کی نظم ’ہماری گائے‘ اور علامہ اقبال کی نظم ’گائے اور بکری‘ میں نے اتنی بار پڑھی تھی کہ یہ نظمیں یاد ہوگئی تھیں جنھیں میں اکثر جھوم جھوم کر دوسروں کو بھی سناتا تھا۔

س : بچپن میں کس کتاب نے آپ کو سب سے زیادہ متاثر کیا؟

ج : ان دنوں کورس کی کتابوں میں ایک کتاب ’پھول اور کلیاں‘ نام کی تھی جس کی دلچسپ کہانیوں نے میری ادب میں دلچسپی بڑھانے میں اہم رول ادا کیا۔ اس کے علاوہ ماہنامہ ’کھلونا‘ بھی ضرور پڑھتا اور اس کے پڑھنے کی عادت یوں لگ گئی تھی کہ ایک نشست میں اسے مکمل کر لیتا پھر مہینہ بھر اس کے ملنے کا انتظار رہتا۔

س : بچپن میں بچوں کے کون سے رسائل آپ پڑھتے تھے؟

ج : میں بتا چکا ہوں کہ میرا عزیز رسالہ ’کھلونا‘ تھا۔ اس کے علاوہ انگریزی زبان سیکھنے کی چاہ نے مجھے انگریزی رسالہ ’چندا ماما‘ سے جوڑ رکھا تھا۔ جس سے انگریزی کے بہت سارے الفاظ جاننے میں مدد ملتی تھی۔

س : بچوں کے ذہنی اور فکری ارتقا کے لیے کون سی کتابیں زیادہ مفید ہیں؟

ج : بچوں کے ذہنی اور فکری ارتقا کے لیے نثری اور شعری ادب کی وہ کتابیں زیادہ مفید ہیں جن میں قلمکاروں کی زندگی کے حالات

درج ہوں۔ میں جہاں تک سمجھتا ہوں کہ تواریخ کا پڑھنا بھی اس سلسلے میں فائدہ مند ثابت ہوگا۔ اس کے ساتھ ہی وہ کتابیں بھی مفید ہوں گی جن میں سائنس اور ٹیکنالوجی پر مضامین ہوں۔

س : زبان و بیان کو بہتر بنانے کے لیے کن مصنفین کی کتابیں بچوں کے لیے مفید اور رہنما ثابت ہوسکتی ہیں؟

ج : ویسے تو تمام مصنفین بچوں کی ذہنی سطح کو پیش نظر رکھ کر لکھتے ہیں پھر بھی زبان و بیان کے لیے سادہ اور عام فہم زبان میں لکھنے والوں کو پڑھنا مناسب ہوگا۔ جن کی تحریر میں کوئی الجھاؤ نہ ہو۔

س: مستقبل اور کیریئر سنوارنے کے لیے بچوں کو کن موضوعات اور کتابوں کا مطالعہ کرنا مفید ثابت ہوگا؟

ج : یہ تو بچوں کے الگ الگ مزاج پر منحصر ہے کہ ان کی طبیعت کس طرف جاتی ہے اور جدھر طبیعت جاتی ہو ادھر ہی مڑنا بہتر ہے۔ ویسے زمانے کے اعتبار سے سائنس اور ٹیکنالوجی کی بہت ضرورت ہے جس سے دلچسپی کہیں نہ کہیں ضرور کام آسکتی ہے۔

س : اپنے سوانحی اور تعلیمی کوائف کے بارے میں کچھ بتائیں؟

ج : جوٹ کی صنعت والے علاقے کمرہٹی میں میری پیدائش 16 جنوری 1964 کو ایک متوسط گھرانے میں ہوئی۔ میرے والد آس محمد مرحوم و مغفور کی دلی خواہش تھی کہ میں کم از کم میٹرک پاس کروں کیونکہ اس وقت تک میرے خاندان میں کسی نے میٹرک تک کی بھی تعلیم حاصل نہیں کی تھی۔ والد مرحوم نے محنت و مشقت اور مل کی مزدوری کر کے مجھے پڑھائی میں لگائے رکھا۔ میری توجہ اور ذہانت کے مدنظر والد مرحوم کے ہمنام معروف ٹیوٹر ماسٹر آس محمد مرحوم نے بلا معاوضہ ٹیوشن دے کر مجھے تعلیم و تربیت سے سنوارا۔ سال 1977 ماہ اکتوبر میں دسویں کلاس کے سینٹ اپ امتحان کے بعد ہی میں شدید بیمار پڑ گیا۔ اس قدر بیمار کہ اٹھنا بیٹھنا تک دشوار ہوگیا۔ پھر بھی میں نے بورڈ کے فائنل امتحان کے لیے فارم بھر دیا جس کا امتحان 1978 کے 4 اپریل سے تھا۔ دوا علاج جاری تھا لیکن امتحان کے وقت تک میں ٹھیک نہ ہوسکا۔ گھر والوں نے امتحان نہ دینے پر زور دیا مگر میں نے امتحان چھوڑنا مناسب نہ جانا اور سینٹ اپ کے دوران کی تیاریوں کے بل پر امتحان دیا اور سکنڈ ڈویژن سے کامیاب ہوا چونکہ میں اپنے کلاس کا فرسٹ بوائے تھا اس لیے سکنڈ ڈویژن ریزلٹ پر میرے اساتذہ مطمئن نہیں تھے۔

میرے ابو بہت خوش تھے کہ میں نے میٹرک پاس کرلیا تھا۔ گھریلو حالات پہلے سے خراب ہو چکے تھے کیونکہ ابو کی نوکری علاقائی سیاست کی بھینٹ چڑھ چکی تھی۔ ایسے میں مجبوراً مجھے جوٹ مل میں مزدوری کے لیے جانا پڑا لیکن پڑھائی جاری رہی۔ مل میں مزدوری کرتے ہوئے ہی میں نے ہائر سکنڈری امتحان امتیازی نمبروں سے پاس کیا اور پروفیسر حیدر حسن کاظمی (بنگاباشی مارننگ کالج) کے مشورے سے ہگلی محسن کالج میں اردو آنرز میں داخلہ لیا۔ اردو سبجیکٹ میں 75 فیصد سے زائد مارکس ہونے پر مجھے مغربی بنگال اردو اکاڈمی کی طرف سے کورس کی تکمیل تک وظیفہ ملتا رہا۔ اسی دوران ابو کو کمرہٹی میونسپلٹی میں اسٹاف کی پکی نوکری بھی مل گئی لہٰذا میں نے مل کی نوکری چھوڑ کر صرف ٹیوشن پڑھانا شروع کردیا جس میں انگریزی سے میرا لگاؤ بہت کام آیا۔

اردو آنرز میں نے فرسٹ ڈویژن سے پاس کیا لیکن نتیجہ تاخیر سے آنے پر آگے پڑھنے میں دشواری نظر آئی پھر بھی کوشش میں لگ گیا آخر کار ڈاکٹر پروفیسر ظفر اوگانوی مرحوم کے توسط سے کلکتہ یونیورسٹی کے ایم اے (اردو) میں داخلہ مل گیا۔ آنرز فرسٹ کلاس ہونے کے سبب ایم اے کے دو سال تک سرکاری وظیفہ یاب ہوا۔ ایم اے (اردو) کی تعلیم مکمل ہوتے ہی کلکتہ یونیورسٹی سے پروفیسر ڈاکٹر شمیم انور مرحوم کی

نگرانی میں 'آزادی کے بعد مغربی بنگال کی اردو شاعری میں جدید رجحانات' کے عنوان سے ریسرچ کے لیے رجسٹریشن کرایا۔ افسوس ہے کہ موضوع پر تنازعہ کے سبب ریسرچ کا یہ کام مکمل نہ ہوسکا۔

ٹیچر بننا میرا خواب تھا لہٰذا میں نے رابندر بھارتی یونیورسٹی سے بی ایڈ کیا۔ اسکول ٹیچر کے لیے انٹرویو دے کر قسمت آزماتا رہا اور اس طرح 1995 کے ستمبر میں ٹیچر کی حیثیت سے 'گاڑولیا مل ہائیر سیکنڈری اسکول' میں میری تقرری ہوئی۔ اس درمیان میں نے ایم اے (فارسی) کی تعلیم بھی مکمل کی اور کالج میں لیکچرار کے لیے SLET میں کامیابی پائی۔ جس کے سبب میں مغربی بنگال کالج سروس کمیشن اور مغربی بنگال پبلک سروس کمیشن کے امتحانات میں بھی حاضر ہوتا رہا۔ دو مرتبہ کالج سروس کمیشن کے پینل میں بھی رہا۔

س : آپ کو بچوں کے لیے لکھنے کا خیال کب آیا؟

ج : طالب علمی کے زمانے سے ہی ادب اطفال سے مجھے دلچسپی تھی، پھر ٹیچر بن کر اسکول جوائن کرنے کے بعد اس میں شدت آگئی۔ اس طرح شاعری شروع کرتے ہی ذہن اس طرف مائل ہوگیا۔ فرصت ملنے پر نظمیں لکھتا اور اپنے بچوں کو سناتا جنھیں سن کر وہ جھوم جاتے اور مجھے آگے لکھتے رہنے کی راہ مل جاتی۔ ان نظموں میں بچو اب اسکول چلو، آؤ مل جل کر ہم کھیلیں، گڈا اور گڑیا، جانوروں کا کرکٹ، ہم تو جھوٹ نہ بولیں گے، خوابوں کا نگر، سورج اور ہوا، چینی کی چڑیا، جادو کا دیپ، جو سویا سو کھویا، مزہ فٹ بال کا، تربوز اور انگور وغیرہ جمع ہوگئیں تو انھیں کتابی شکل میں پیش کرنے کا ارادہ ہوا۔ 2006 میں اردو اور دیوناگری میں ایک ساتھ 'لکڑی کا گھوڑا' اور 2023 میں 'مور کے پنکھ' کے نام سے ادب اطفال پر کتابیں آئیں۔

س : آپ کی پہلی تخلیق کب اور کس رسالے میں شائع ہوئی؟

ج : میری پہلی تخلیق خاتون مشرق میں 'عید کا بلیدان' 1981 یا 1982 میں چھپی ٹھیک سے یاد نہیں البتہ بچوں کے لیے میری پہلی تخلیق 'جانوروں کا کرکٹ' کلکتے کے مقبول روزنامہ 'اخبار مشرق' میں 92-1991 میں شائع ہوئی اس کا بھی سن اشاعت یاد نہیں۔

س : آپ کے مرکزی موضوعات کیا ہیں؟

ج : ساحر لدھیانوی نے کبھی کہا تھا۔

دنیا نے تجربات و حوادث کی شکل میں
جو کچھ مجھے دیا ہے وہ لوٹا رہا ہوں میں

اور یہی بات ہر فنکار کی ہے۔ حالات، واقعات اور حادثات خود ہی شاعری کے لیے موضوع بناتے رہتے ہیں۔

س : کتاب لکھنے سے پہلے آپ بچوں کی نفسیات اور ذہنی مطالبات پر ریسرچ کرتے ہیں یا نہیں؟

ج : ریسرچ تو ہو ہی جاتا ہے۔ ایک ٹیچر ہونے کے ناطے دن بھر مختلف عمر کے بچوں سے سابقہ پڑتا رہتا ہے۔ جو تخلیق کے دوران مزاج میں اترتا رہتا ہے، اس سے آگے مزید ریسرچ کا کیا تصور ہوسکتا ہے۔

س : بچوں کے لیے لکھتے ہوئے آپ کو کس طرح کی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے؟

ج : بچوں سے سابقہ پڑتے رہنے کے باوجود ان کی ذہن سازی کے لیے موضوعات کا انتخاب آزمائشی ہو جاتا ہے۔ ساتھ ہی زبان پر بھی توجہ دیے رہنے کی ضرورت پڑتی ہے کہ الفاظ ایسے آئیں جو سادہ اور آسان ہوں جن میں اضافت وغیرہ نہ ہوں۔

س : ادیب اطفال کی حیثیت سے ادبی اور علمی حلقے میں آپ کی قدر ہوتی ہے یا نہیں؟

ج : ادب اطفال نے مجھے جب سے ادیب اطفال بنایا ہے، مجھے یوں محسوس ہونے لگا ہے کہ میرے سینے پر ایک تمغے کا

اضافہ ہو گیا ہے۔

س : کیا آپ اب بھی بچوں کے لیے لکھی گئی کتابیں پڑھتے ہیں؟

ج : ضرور پڑھتا ہوں۔ شاید اس پر آپ کو حیرت ہوگی کہ بچوں کے تعلق سے لکھی گئی کتابیں میں پوری دلچسپی سے پڑھتا ہوں اور اس وقت پڑھنے میں یوں کھو جاتا ہوں جیسے میں بھی اس کتاب کا ایک کردار ہوں۔

س : انگریزی اور دیگر زبانوں میں شائع ہونے والے کون سے رسالے بچوں کے لیے مفید ثابت ہو سکتے ہیں؟

ج : ہر وہ رسالہ جو بچوں کے لیے دلچسپ موضوعات اور مواد پر مشتمل ہو وہ مفید ثابت ہو سکتا ہے، وہ رسالہ خواہ انگریزی یا کسی دوسری زبان میں ہو۔

س: کیا اردو میں بچوں کے لیے انگریزی، تیلگو اور دیگر زبانوں جیسا شائع ہونے والا کوئی مکمل رسالہ موجود ہے؟

ج : یقیناً اس دوڑ میں ایک رسالے کو سبقت حاصل ہے اور اس کا نام 'بچوں کی دنیا' ہے۔

س : بچوں کے ادب پر جو رسائل شائع ہو رہے ہیں، ان کے مواد اور زبان و بیان سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟

ج : بچوں کے ادب پر رسائل ہی کتنے شائع ہو رہے ہیں اور جو ہیں وہ غنیمت ہیں کیونکہ بچوں کا ادب تخلیق کرنا دشوار ہے، اس میں خود بچہ بننا پڑتا ہے چونکہ بچوں کا ادب وہی قلمکار تیار کرنے میں لگے ہوئے ہیں جو باضابطہ ادب بالغاں سے جڑے ہیں اس لیے کچھ نہ کچھ کمی یقینی ہے لیکن میرے خیال میں کچھ نہ ہونے سے یہ بہتر ہے۔

س : معاصر ادب اطفال سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟

ج : میں نے پہلے ہی کہا ہے کہ فی الحال زیادہ تر وہی لوگ ادب اطفال سے جڑے ہوئے ہیں جن کا تعلق ادب بالغاں سے ہے اس لیے ادب اطفال سے بے اطمینانی تو نہیں ہے، البتہ ادیب اطفال کو اس کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ تخلیق ایسی ہو جسے بچے دلچسپی کے ساتھ پڑھیں۔

س: بچوں کے لیے لکھتے ہوئے آج کے دور میں کن موضوعات پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے؟

ج : موضوعات وہی ہوں جن کا تعلق ہمارے سماج سے ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی جانب اشارات بھی بہتر نتائج دے سکتے ہیں۔ ان کے علاوہ تاریخی اور جغرافیائی موضوعات بھی ضروری ہیں تا کہ سوچنے سمجھنے کی قوت بڑھے۔

س : بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے کچھ مفید تجاویز اور مشورے!

ج : اساتذہ کے ساتھ گارجین کو بھی اس پر عمل کرنا لازمی ہے کہ بچے وقت کے پابند ہوں۔ وقت پر کھیلیں، وقت پر پڑھیں اور وقت پر ہی سیر و تفریح میں حصہ بھی لیں۔

اب تو موبائل اور کمپیوٹر کا زمانہ ہے لیکن اس سے اتنا ہی جڑیں جتنا ضروری ہے، کھاتے وقت اور آرام کے وقت موبائل سے دور رہیں تو بہتر ہے۔

س : ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' میں آپ کس نوع کی تبدیلی چاہتے ہیں؟

ج : ویسے تو یہ رسالہ ادب اطفال کے معیار پر کھرا اترتا ہے پھر بھی اگر جنرل کوئز کی طرح سوال و جواب کا سلسلہ جاری ہو جائے تو اچھا ہو۔

س : بچوں کے لیے آپ کا کوئی پیغام!

ج : میں بچوں کو یہی پیغام دینا چاہوں گا کہ اپنی صحت کا خیال رکھیں اور وہی کام کریں جس سے خاندان، سماج، قوم اور ملک کا نام روشن ہو۔

■

Mumtaz Anwar
A. N.R. Adhikary Road-66
Kamarhati
Kolkata -700058 (West Bengal)
Mob.: 9748830729

مختصر کہانیاں

حشمت کمال پاشا

حشمت کمال پاشا کا تعلق مٹیا برج، کولکاتا سے ہے۔ انھوں نے کولکاتا یونیورسٹی سے بی کام کیا ہے۔ تجارت کے پیشے سے منسلک ہیں اور 1980 سے مسلسل بچوں کے لیے لکھ رہے ہیں۔ ان کی کم و بیش درجن کتابیں منظر پر آچکی ہیں جن میں گاتے حروف، معصوم کرنیں، ننھی بیلیں، کچے ہیرے، سبھاش چندر بوس، بچوں کی محفل میں غالب، اقبال اور واجد علی شاہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ انھیں مختلف ادبی تنظیموں کی جانب سے ادب اطفال کی خدمت کے اعتراف میں انعامات و اعزازات سے بھی نوازا گیا ہے۔

دو بھائی

آیئے میں آپ سب کو ایک ایسی کہانی سنانے جا رہا ہوں جو حضرات امام حسن اور حسین کی ہے۔ دونوں بھائی بہت ہی پیارے تھے۔ اپنے ابو اور امی کی آنکھوں کے تارے تھے۔ اللہ نے ان بھائیوں کو بڑی سمجھ دی تھی۔ دونوں ہر بات کو بڑی سمجھداری سے کرتے اور کہتے تھے۔ دونوں چھوٹے تھے کہ ایک بار کسی بات پر لڑ پڑے۔ پھر ماں کے پاس شکایت لے کر گئے۔ حضرت فاطمہؓ نے کہا! مجھے اس سے کچھ مطلب نہیں کہ حسن نے مارا یا حسین نے، میں تو یہ جانتی ہوں کہ آپس میں لڑائی جھگڑا کرنے والے سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں۔ جس سے اللہ ناراض ہو اس سے میں بھی ناراض۔ جاؤ میں تم دونوں سے بات نہیں کرتی۔ یہ سن کر دونوں بھائیوں نے سر جھکا لیا۔ پھر کہا! امی جان آپ معاف کر دیں۔ اب ہم کبھی نہیں لڑیں گے۔ امی نے دونوں کو گلے لگا لیا اور پیار سے کہا "بچو معافی اپنے اللہ سے مانگو" چلو وضو کرو۔ نماز پڑھ کر اللہ کو راضی کر لو۔ دونوں بھائی نماز پڑھ کر اللہ سے گڑگڑا کر معافی مانگنے لگے۔ کیسے اچھے تھے دونوں بھائی اور کتنی پیاری تھیں دونوں کی امی!

وفاداری

یہ 1809 کی بات ہے کہ اس وقت فرانس اور جرمنی میں زبردست جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ کہتے ہیں کہ فرانس کا شہنشاہ نپولین ایک ٹیلے پر کھڑا ہو کر اپنے بہادر سپاہیوں کا حملہ دیکھ رہا تھا۔ یکایک میدان جنگ سے ایک گھوڑسوار سپاہی اس کی طرف آتا ہوا دکھائی دیا۔ جب وہ شہنشاہ نپولین کے قریب آیا تو اس سپاہی نے گھوڑے سے اتر کر شاہی آداب بجا لایا اور پھر بولا "جہاں پناہ! ملک فتح ہو گیا۔"

شہنشاہ! یہ خبر سن کر بہت خوش ہوا لیکن اچانک سپاہی کے

کوٹ کو دیکھ کر نپولین نے کہا! تمہارے کوٹ پر خون کے یہ داغ کیسے۔ کیا تم جنگ میں زخمی ہو گئے۔

سپاہی نے لڑکھڑائی ہوئی آواز میں کہا! جی نہیں اور مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے بے جان ہو کر شہنشاہ کے قدموں میں گر پڑا۔

ایک مسافر

ایک مسافر ٹرین کے فرسٹ کلاس ڈبے میں اکیلے سفر کر رہا تھا۔ اس کے پاس کچھ ضروری کاغذات اور سامان تھے۔ ٹرین چھوٹتے ہی مسافر نے اپنے بیگ سے ایک کتاب نکالی۔ وہ اسے پڑھنے کے لیے شروع کرنے ہی والا تھا کہ اچانک ایک عورت اس کمپارٹمنٹ میں داخل ہوئی اور مسافر کو مخاطب کرتے ہوئے بولی:

''جو کچھ تمھارے پاس ہے نکال دو ورنہ...''

وہ مسافر پہلے تو ڈرا اور گھبرایا لیکن فوراً ہی اپنے آپ پر قابو پاتے ہی مسافر کے ذہن میں ایک ترکیب آئی اور جیسے اس عورت نے اپنی بات دہرائی مسافر نے کان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسے بتایا:

''بہن جی مجھے کم سنائی دیتا ہے آپ جو کچھ کہنا چاہتی ہیں وہ مجھے کاغذ پر لکھ کر دے دیں میں اس پر فوراً عمل کروں گا۔''

عورت نے مسافر کے اکیلے پن کا فائدہ اٹھاتے ہوئے موقع غنیمت جان کر بغیر سوچے سمجھے جلد بازی میں وہی بات کاغذ پر لکھ کر مسافر کو دے دی، مسافر نے فوراً ہی اس کاغذ کو اپنے ہاتھ میں لیا اور پڑھ کر مسکرانے لگا، وہ عورت اپنی نا سمجھی پر کھسیانی ہنسی ہنس کر رہ گئی، اب سب کچھ جانتے ہوئے بھی وہ شور نہیں مچا سکتی تھی کیونکہ اس نے لکھ کر خود ہی مسافر کو دے دیا کہ ''جو کچھ تمھارے پاس ہے نکال دو ورنہ میں تمھیں بدنام کر دوں گی'' پیارے بچو جانتے ہو وہ مسافر کون تھا؟

وہ تھے ہمارے ملک کے ہردلعزیز رہنما سبھاش چندر بوس جنھیں ہم سب 'نیتا جی' کے نام سے پکارتے ہیں۔

سچائی

دعا کے بعد اسکول کی گھنٹی بجی تو بچے اپنے کلاس میں چلے گئے۔ کچھ دیر کے بعد شور و غل کی آوازیں آنے لگیں۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے گھنٹی بجائی چپراسی فوراً حاضر ہوا۔

ہیڈ ماسٹر صاحب نے کہا! جاؤ دیکھو یہ کیسا شور ہو رہا ہے؟

چپراسی تھوڑی دیر کے بعد واپس آیا اور بولا: سر! درجہ پنجم کے بچے ٹیچر کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

■

Hashmat Kamal Pasha
B-119, Nawab Wajid Ali Shah Road
Post: Garden Reach, Kolkata -700024
Mob.:9123998344

جواب

1	ایشیا	2	فروری	3	جوپیٹر (Jupiter)	4	14 جولائی
5	ایمیزون رین فوریسٹ	6	سورج	7	مرکری (Mercury)	8	شترمرغ
9	ماؤنٹ ایوریسٹ	10	مولوی عبدالحق	11	گوگلیمو مارکونی	12	اسٹیپس (کان کی ہڈی)
13	بحرالکاہل	14	بل گیٹس، پال ایلن	15	آئزک نیوٹن	16	میر تقی میر
17	حضرت نظام الدین	18	اونٹ	19	National Aeronautics and Space Administration	20	Automated Teller Machine

ننھا استاد

ابو طالب انصاری

چھٹیاں ختم ہونے کے قریب تھیں اور اسکول کھلنے والے تھے۔ اس سال گرمیوں کی چھٹیوں میں سب دادی کے گھر جمع ہوئے تھے۔ ہر سال گرمی کی چھٹیوں میں سبھی رشتے دار کسی نہ کسی رشتے دار کے پاس چلے جاتے تھے اور پوری چھٹیاں وہیں گزارتے تھے۔ رضیہ پھوپھی، عامرہ پھوپھی، ساجدہ پھوپھی، اشتیاق خالو، بلقیس خالہ، سلمٰی خالہ اور ان کے بچے سمیر اور نازیہ سب تھے۔ سبھی نے انجوائے کیا۔ بچوں نے تو خوب مزے کیے اور شرارتوں کی حد کردی۔ پرندوں کے انڈے چرانا، ندی میں نہانا اور مچھلیاں پکڑنا۔ آم، جامن، املی اور آملہ توڑ کر انھیں نمک لگا کر کھانا۔ اس سال لسوڑہ بھی خوب لگا تھا، بچے اس کا رس چوستے اور اس میں ماچس کی تیلی ڈبو کر ایک دوسرے پر پھینکتے تھے۔ رات کے وقت چاندنی پر دادی اماں کی کہانیاں کسی اور ہی دنیا کی سیر کراتیں۔ ان سب میں اتنا مزہ آرہا تھا کہ دل چاہتا تھا کہ یہ سب اسی طرح چلتے رہے مگر وقت کب ٹھہرتا ہے وہ اسی طرح آگے بڑھتا جاتا ہے۔ دھیرے دھیرے چھٹیاں ختم ہوگئیں اور سب اپنے اپنے گھر رخصت ہوگئے۔

آج سب کے غلے کھولے جارہے تھے۔ بچے غلے میں پیسے جمع کرتے تھے اور چھٹیوں میں نکالتے تھے۔ سلیم، نسیم عادل اور رمشا سب دائرہ بنا کر بیٹھے تھے۔ ان کی والدہ غلہ کھول رہی تھیں۔ رضیہ پھوپھی، شبینہ پھوپھی اور دادی بھی موجود تھیں۔ سبھی خوشی اور حیرت سے ہر کھلنے والے غلے کو دیکھ رہے تھے کہ کس میں کتنا جمع ہے۔ اب باری عادل کے غلے کھلنے کی تھی۔ سبھی ہنس رہے تھے۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ سب سے کم اسی سے نکلے گا۔ کیونکہ عادل فضول خرچی کا عادی تھا۔ فضول چیزوں پر پیسے ضائع کرنا اس کی عادت تھی۔ عادل کا غلہ کھلا سب کی آنکھیں حیرت سے کھلی رہ گئیں۔ اس کے غلے میں سے سب سے زیادہ روپے نکلے۔ شبینہ پھوپھی نے خوشی سے عادل کو انعام دیا۔ دادی نے پیشانی چوم کر ڈھیر ساری دعائیں دیں۔ والدہ نے بھی خوشی اور حیرت کا اظہار کیا۔ والد پاس ہی بیٹھے کسی فاتح کی طرح مسکرا رہے تھے۔ جبکہ سلیم، نسیم اور رمشا تینوں کھسیانی ہنسی ہنس رہے تھے۔ چاروں بھائی بہن میں ہمیشہ ٹھنی رہتی تھی۔ تینوں ایک طرف ہو کر عادل کو چڑھاتے تھے، وہ بے چارہ اکیلا پڑ جاتا۔ شبینہ پھوپھی نے پوچھا عادل اتنے روپے تم کیا کروگے؟۔ عادل نے فوراً کہا میں سارے روپے امی ابو کو دے دوں گا۔ عادل کی امی یہ سن کر نہال ہوگئی جبکہ والد مسکرانے لگے۔ اگر وہ نہ لیں تو! تو میں اس سے کتاب کاپیاں خریدوں گا اور اپنے دوستوں کو بھی دلاؤں گا۔ دادی نے پوچھا، عادل! یہ چمتکار کیسا؟ تمھارے غلے میں سے تو ہمیشہ کم روپے نکلتے تھے۔ عادل نے مسکراتے ہوئے ابو کی طرف دیکھا اور کہا کہ ان کی

وجہ سے۔ ابو نے مجھے شہد کی مکھی کی کہانی سنائی تھی۔ یہ اسی سے سیکھا ہے۔ سب حیرت زدہ تھے کہ کون سی کہانی؟ اور کیسا سبق؟ عادل نے کہنا شروع کیا" ابو نے بتایا تھا کہ شہد کی مکھی کے یہاں پورا معاشرتی نظام ہوتا ہے اور نظم وضبط کی سخت پابند ہوتی ہیں۔ ان کے چھتے کے خانے مسدس شکل کے ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے موم سے جڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہ روزانہ میلوں لمبا سفر طے کر کے پھولوں کا رس چوس کر لاتی ہیں اور انہی خانوں میں اُگل دیتی ہیں۔ اسی طرح وہ تھوڑا تھوڑا رس روزانہ اس میں جمع کرتی جاتی ہیں اور یہی مختلف مراحل سے گزر کر ایک ہلکے سرخ رنگ کے رقیق سیال کی شکل اختیار کر لیتا ہے جو شہد کہلاتا ہے۔ جو نہ صرف لذیذ اور مقوی ہوتا ہے بلکہ اس میں شفا بھی ہے۔ شہد بہترین غذا ہے جو کبھی خراب نہیں ہوتی ہے۔ شہد کے چھتوں سے موم بھی حاصل ہوتی ہے۔ موم سے شمع بنتی ہے جس سے روشنی ہوتی ہے۔ سبھی حیرت سے سن رہے تھے۔ دادی نے کہا کیا تمھارے ابو نے یہ کہانی صرف تمھیں سنائی تھی۔ نہیں دادی! ابو جب یہ کہانی سنا رہے تھے تو سلیم، نسیم اور مشا شرارت کر رہے تھے"۔ عادل نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا" اپنے گھر کے پیچھے جو شہد کا چھتہ تھا میں روزانہ غور سے اسے دیکھتا تھا مجھے تعجب ہوتا تھا کہ وہ قدرت کی کاری گری کی کیسی عمدہ مثال ہے۔ شہد کی مکھی کیسے اپنے وقت کی پابند ہے۔ کس طرح وہ صبح سویرے بلاناغہ اٹھتی ہے اور میلوں لمبا سفر کر کے پھولوں کا رس چوس کر اپنے مسکن میں لوٹ آتی ہے اور ایک ایسی چیز تیار کرتی ہے جو خراب نہیں ہوتی ہے۔ یہ تو بالکل علم کی طرح ہے۔ اس میں پائے جانے والے موم سے شمع بنتی ہے جو خود جل کر دوسروں کے لیے روشنی پیدا کرتی ہے ابو نے بتایا تھا کہ قدرت کی نشانیاں جا بجا ہیں۔ ہمیں ان کا مشاہدہ کرنا چاہیے۔ اگر ہم باریک بینی سے اس پورے عمل کو دیکھیں تو اس میں ایک سبق نظر آتا ہے۔ انسان کو اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے دیگر چیزوں کے علاوہ روپے کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور روپے کمانے کے لیے انسان سخت محنت کرتا ہے۔ بعض اوقات محنت سے حاصل شدہ روپیہ اس کی ضرورت پورا کرنے کے لیے ناکافی ہوتا ہے۔ اگر انسان آمدنی اور خرچ میں توازن رکھے تو خوشحالی کا آنا یقینی ہے لیکن اگر وہ اسراف کو اپنا شعار بنالے تو مفلسی اور قلاشی اس کا مقدر ہوگی۔

انسان کی آمدنی جتنی بھی ہو اگر وہ اس میں روزانہ تھوڑا تھوڑا پس انداز کرے تو ایک مدت بعد اس کے پاس کافی دولت جمع ہوجائے گی جو نہ صرف اس کی ضروریات کو پورا کرسکتی ہے بلکہ اس کے لیے خوشحالی کے دروازے بھی کھول دیتی ہے۔ یہ سبق ہمیں ننھا استاد دیتا ہے۔ بے شک اگر روپیہ کمانا اہم ہے تو بچت کرنا اس سے بھی اہم ہے۔ میں نے ابو کی بات غور سے سنی اور ارادہ کر لیا کہ میں بھی ایسا ہی بنوں گا۔ اس سے پہلے میں اپنا سارا جیب خرچ فضول خرچی میں اڑا دیتا تھا۔ مگر میں نے مصمم ارادہ کر لیا ہے کہ اب میں فضول خرچی اور اسراف سے بچوں گا اور تھوڑا تھوڑا روپیہ جمع کروں گا تاکہ آڑے وقت میں کام آئے۔ وقت کی پابندی کروں گا، علم حاصل کروں گا اور لوگوں کے لیے نفع بخش بنوں گا۔ سب حیرت سے عادل کی طرف حیرت دیکھ رہے تھے کہ جسے وہ پھسڈی سمجھتے تھے وہ تو عقلمند نکلا اور آج تو وہ سب کی نظروں میں مہان بن گیا ہے۔

■

Dr. Abu Talib Ansari
187, Ghori Para (Bhiwandi)
Thana - 421308 (Maharashtra)
Mob.: 9823755795

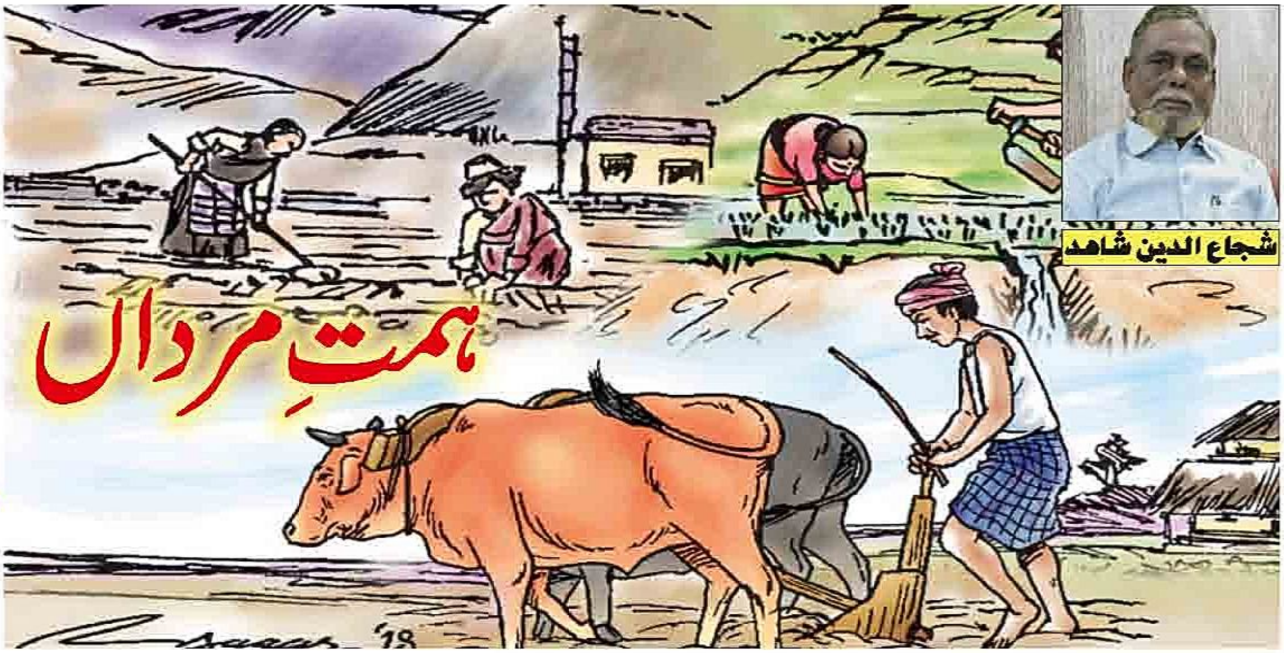

شجاع الدین شاہد

ہمتِ مرداں

پھر یوں محسوس ہونے لگا کہ شام ہوتے ہی چڑیوں کی چہچہاہٹ ختم سی ہوگئی۔ ایک عرصے سے کوئل کی کوک کی آواز بھی سنائی نہیں دے رہی تھی۔ ندی کنارے برگد کے پیڑ سے طوطوں کا جھرمٹ بھی غائب ہونے لگا۔ ایسا لگا جیسے سارے پرندے یہاں سے ہجرت کر گئے ہوں، کیونکہ دھیرے دھیرے پیڑ ختم ہو رہے تھے۔ پرندوں کے آشیانے اجڑ رہے تھے۔

ترقی کے نام پر پہاڑوں اور گپھاؤں کو بارود سے اڑایا جا رہا تھا۔ جنگلی جانور جنگلوں سے گاؤں کی طرف کوچ کرنے لگے۔ گاؤں کے معصوم جانوران کا شکار ہونے لگے۔ ہر طرف خشک سالی اور قحط کا گمان ہونے لگا۔ چٹیل اور زرخیز زمین میں دڑاریں نمودار ہونے لگیں۔ پہلے ندی کی ریت سے ایک بالشت گڈھا کرنے پر شفاف پانی ابل پڑتا تھا، مگر اب تو کنواں کھودنے پر بھی پانی کا نام ونشان نظر نہیں آرہا تھا۔ شاید قدرت ہم سے ناراض ہوگئی۔ فطرت تو انسان کی ماں ہوتی ہے شاید وہ ہم سے روٹھ گئی۔ اسی لیے ندیاں سوکھ رہی ہیں۔ زمین کی گرمی بڑھ رہی ہے۔ گرین ہاؤس گیسوں کی مقدار بڑھ رہی ہے۔ شاید یہ ہماری بربادی کا اعلان تو نہیں۔

پھر چاروں طرف ہاہاکار مچ گئی۔ مسجدوں میں رحمت باراں کے لیے دعائیں کی جانے لگیں۔ مندروں میں پوجا ارچنا ہونے لگی۔ گرودواروں میں لنگر تقسیم ہونے لگے۔ لوگوں کی آنکھوں سے اشکوں کا دریا بہنے لگا، مگر پانی کا ایک قطرہ نہیں برسا۔

اور جب بادلوں نے بھی یہ محسوس کیا کہ جنگلات ختم ہو رہے ہیں۔ ہزاروں درخت روز کاٹے جا رہے ہیں۔ ندی، نالوں پر بندھ باندھ کر پانی کو روک دیا گیا ہے۔ پہاڑ کاٹ کر بستیاں آباد کی جا رہی ہیں، بستیوں کے قریب زرخیز زمین پر فصلیں نہیں بلکہ بلند و بالا عمارتیں اُگ رہی ہیں۔ انسانوں کی یہ سب کرتوت دیکھ کر بادلوں نے اعلان کیا کہ وہ انسانوں کو سبق سکھانے کے لیے آئندہ پانچ برسوں تک زمین پر نہیں برسیں گے۔

بادلوں کا یہ فیصلہ سن کر سارے کسان پریشان ہو گئے۔ اللہ کی مرضی، کہہ کر اپنے اپنے گھروں میں ہاتھوں پہ ہاتھ باندھ کر بیٹھ گئے۔

مگر ایک محنتی، جانباز کسان نے اپنی بیوی سے کہا:

کہانی

''ہمیں ہاتھ پر ہاتھ دھرے رہ کر نہیں بیٹھنا چاہیے۔ محنت کرنے والوں کی کبھی ہار نہیں ہوتی، ہمتِ مرداں مددِ خدا۔''

''اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے وہ ساری مخلوق پر رحم و کرم کرے گا۔ اس کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہونا، ہمیشہ کی طرح ہمیں اپنی زمین کی صاف صفائی اور کاشتکاری کرنی ہے۔''

پھر وہ ایک نئے عزم اور حوصلے کے ساتھ بیوی، بچوں کو لے کر اپنے کھیت میں کام کرنے لگا۔ کھیت میں کھاد ڈالتا رہا۔ چونکہ اس کا کھیت ندی کنارے تھا اس لیے اس نے اپنے کھیت کی منڈیروں پر درختوں کے بیج ڈالے جو اُپجنے لگے۔ جب زمین میں بیج ڈالنے کا وقت آیا تو وہ اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ زمین میں بیج ڈالنے لگا۔ وہ اپنے کام میں مصروف رہا۔

سارے کسان اس کی اس کاوش اور محنت کی ہنسی اڑانے لگے۔ اسے پاگل تک کہا گیا مگر وہ ہمیشہ کی طرح اپنی دھن میں مگن رہا۔ جب اس نے بیوی اور بچوں کے ساتھ مل کر زمین میں بیج ڈال دیے، چونکہ زمین میں ہلکی سی نمی باقی تھی اس لیے اگلے روز اس کی زمین سے کونپلیں (انکور) پھوٹنے لگیں۔

اگلے دن..... بادلوں کا وہاں سے گزر ہوا۔ انھوں نے ایک کسان کو اپنے کھیت میں کام کرتے دیکھا تو حیران رہ گئے۔

بادلوں نے قریب آکر کسان سے پوچھا ''اے کسان! ہم نے تو عہد کیا ہے کہ آئندہ پانچ برسوں تک نہیں برسیں گے.... تو تم یہ سب کیوں کر رہے ہو؟

کسان نے کہا ''بادلو! تم اپنا کام کرو...... میں اپنا کام کرتا ہوں...... مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑا رحیم ہے۔ وہ پتھروں کے اندر بھی موجود کیڑے مکوڑوں کو رزق پہنچاتا ہے کیونکہ وہ رزّاق ہے۔ زمین سے اُگی ہوئی یہ ننھی کونپلیں آسمان کی طرف منہ کر کے اس کی رحمت کی منتظر ہیں''۔

بادلوں نے جو یہ سُنا تو ایک دوسرے کا منہ تاکنے لگے۔ انھیں احساس ہوا کہ وہ اللہ کے حکم کے پابند ہیں۔ اُن کا کام برسنا ہے...... پھر یوں ہوا کہ بادل برسنے لگے...... ساری زمین جل تھل کر گئے۔ چند دنوں بعد اس کسان کی فصلیں لہلہانے لگیں۔ دوسرے سارے کسان دیکھتے رہ گئے۔ اگلی صبح سارے کسان اپنے اپنے کھیتوں کی طرف جاتے ہوئے نظر آئے۔

■

Shujauddin Shahid
C-5, Sayambhu CHS. No.1
Near Care Hospital
Malwani, Mhada Complex, Malad (W)
Mumbai-400095 (Maharashtra)
Mob: 9969039485

شکاری مکڑا

محبوب حسن

ایک ندی کے کنارے بہت بڑا باغ تھا۔ اس باغ میں تمام قسم کے درخت لگے ہوئے تھے۔ ان درختوں کی شاخوں پر بیٹھے ہوئے خوش رنگ پرندے صبح و شام طرح طرح کی آوازیں نکالتے۔ پرندوں کی چہچہاہٹ سے سارا منظر خوش نما ہو جاتا۔ اس باغ کے چاروں طرف ہرے بھرے کھیت تھے۔ ان کھیتوں میں ہر قسم کی فصلیں اُگی ہوئی تھیں۔ کہیں سرسوں کے پیلے پیلے پھول تو کہیں مٹر کی پھلیاں۔ صبح سویرے ان پودوں پر پڑنے والی شبنم کے قطرے چاندی کی طرح چمکتے۔ باغ کے پاس سے بہنے والی ندی میں رنگ برنگی مچھلیاں دیکھ کر شکاری پرندے للچاتے۔ کبھی کبھی پرندے اپنی چونچ میں مچھلیاں دبائے اڑتے ہوئے نظر آتے۔

اس باغ میں کئی قسم کے چھوٹے بڑے پرندے اور تتلیاں رہتی تھیں۔ کوئل، فاختہ، بلبل، طوطا، کوا، مور اور مینا وغیرہ کی موجودگی سے باغ میں رونق بنی رہتی۔ پرندے آس پاس کے علاقوں میں اڑتے اور شام ہوتے ہی اپنے اپنے گھونسلوں میں واپس آ جاتے۔ اس باغ میں شگفتہ نام کی ایک تتلی تھی، جسے اپنی خوبصورتی پر بہت ناز تھا۔ وہ ہر وقت اپنے حسن و ادا پر اتراتی پھرتی تھی۔ اس کے دل میں کسی کے لیے کوئی عزت نہ تھی۔ وہ اکیلے ہی ہر طرف اڑتی پھرتی اور اپنی دنیا میں خوش رہتی۔ شگفتہ آس پاس کے ہرے بھرے کھیتوں میں جاتی اور پھولوں سے رس چوس کر واپس آ جاتی۔ اس کا رنگ نہایت ہی پرکشش تھا۔ سرخ رنگ کی یہ تتلی جب سرسوں کے کھیت سے گزرتی تو نظارہ بے حد حسین لگتا۔

کبھی کبھی باغ کے سارے پرندے اور تتلیاں ایک جگہ جمع ہوتے اور آپس میں باتیں کرتے۔ اپنا سکھ دکھ ایک دوسرے سے بانٹتے۔ ایک بار پرندوں اور تتلیوں نے باغ سے ذرا دور ندی کے پاس ایک جلسہ رکھا۔ اس جلسے میں سبھی کو شرکت کی دعوت دی گئی۔ سبھی پرندے اور تتلیاں خوشی خوشی اس جلسے میں شریک ہوئے۔ اس تقریب میں پرندوں اور تتلیوں نے اپنے اپنے فن کا مظاہرہ کیا۔ کوئل نے میٹھے میٹھے گیت سنائے۔ مورنی نے اپنی دلکش اداؤں کے ساتھ رقص کیا۔ شگفتہ نامی تتلی اس جلسے میں شامل نہ ہوئی۔ شگفتہ کی اس بے اعتنائی سے سبھی فکر مند ہوئے۔ تمام دوستوں نے شگفتہ سے ایک ساتھ ملنے کا مشورہ کیا۔ لہٰذا طے شدہ وقت پر سبھی دوست اس تتلی کی تلاش میں نکل پڑے۔ تتلی باغ کے کنارے سرسوں کے پھول سے لپٹی ہوئی تھی۔ بلبل کی نظر اچانک اس پر پڑی۔ تتلی کو دیکھتے ہی اس نے اشارہ کیا:

”دیکھو! دیکھو! تتلی بہن پھول پر بیٹھی ہے۔“

سبھی نے مسکراتے ہوئے اسے سلام کیا۔ لیکن تتلی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تتلی کی اس بے اعتنائی پر سبھی حیرت زدہ تھے۔ انھیں لگا کہ تتلی بہن شاید ہم سبھی سے ناراض ہے۔ تبھی مینا بول پڑی:

”تتلی بہن! تم اس طرح سے خاموش کیوں ہو؟ کیا تمھیں کوئی تکلیف پہنچی ہے؟ ہم تمھیں بہت پیار کرتے ہیں۔“

مینا ابھی بول ہی رہی تھی کہ طوطا بول پڑا:

''تتلی آپا! اگر تمھیں کوئی ناراضگی ہو تو صاف صاف بتاؤ۔ کیا ہم سے کوئی خطا ہوئی ہے؟''

تتلی اب بھی خاموش تھی۔ اس نے کسی بات کا جواب نہ دیا بلکہ وہاں سے اڑ کر کسی اور پودے پر بیٹھ گئی۔ تتلی کی یہ حرکت سبھی کو بے حد ناگوار گزری۔ ساری تتلیاں اور پرندے اڑتے ہوئے تتلی کے پاس پہنچ گئے اور دوبارہ اس سے مخاطب ہوئے۔

تتلی حقارت سے بولی:

''دیکھو! میں کتنی نازک اور خوبصورت ہوں۔ تم میں سے کوئی بھی مجھ جیسا خوبصورت نہیں۔ میں تم سب سے کیوں باتیں کروں؟ مجھے کسی کی ضرورت نہیں۔ رشتہ ناطہ برابری کا اچھا لگتا ہے۔ تم سب اس قابل نہیں کہ مجھ سے باتیں کر سکو!''

تتلی کی باتیں سن کر کوا کو بہت تیز غصہ آگیا۔ وہ اپنی کالی اور لمبی چونچ کو ہوا میں لہراتے ہوئے انتہائی غصے سے بولا:

''اے مغرور تتلی! کیا تمھارے دل میں ذرا بھی خوفِ خدا نہیں۔ اپنی خوبصورتی پر اس قدر اترانا مناسب نہیں۔ ہم سبھی کو خدا نے بنایا ہے۔ اس میں ہمارا کوئی کمال نہیں۔ خدا نے ہم سبھی کو کسی نہ کسی خاص خوبی کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ اب مجھے ہی دیکھو! میں کس قدر کالا ہوں لیکن رب نے مجھے بہت سمجھداری اور چالاکی عطا کی ہے۔ میں ہر طرح کے خطروں کو قبل از وقت بھانپ لیتا ہوں۔''

افسوس کہ تتلی کوے کی بھی بات سمجھ نہ سکی۔ وہ ابھی بھی تکبر اور غرور میں ڈوبی ہوئی تھی۔ تتلی کے اس برتاؤ سے سبھی سخت ناراض ہوئے۔ تھوڑی دیر بعد سبھی ایک ساتھ باغ کی جانب نکل پڑے۔ وقت یوں ہی رفتہ رفتہ گزرتا رہا۔ لیکن اس تتلی کے اخلاق میں ذرا بھی تبدیلی پیدا نہ ہوئی۔ ایک دن ایک بڑا سا مکڑا شکار کرنے کی غرض سے پاس کے ہی کھیت میں جالے بن رہا تھا۔ اس مکڑا پر اچانک سے ایک فاختہ کی نظر پڑ گئی۔ اسے سارا ماجرا سمجھ میں آگیا۔ فاختہ تیز تیز اڑتے ہوئے باغ پہنچتی ہے۔ وہ باغ کی تمام تتلیوں کو خبردار کرتی ہے۔ اسی دوران فاختہ کی ملاقات اس نادان تتلی سے بھی ہوتی ہے۔ فاختہ تتلی کو مخاطب کرتے ہوئے کہتی ہے:

''تتلی آپا! میری بات دھیان سے سنو۔ میں نے ابھی ابھی ایک مکڑے کو جالے بنتے ہوئے دیکھا ہے۔ آج اس جانب کھیت میں نہ جانا ورنہ کسی مشکل میں پھنس جاؤ گی۔''

تتلی فاختہ کی باتوں کا مذاق اڑاتے ہوئے کہتی ہے:

''میں اتنی بیوقوف نہیں کہ کوئی میرا شکار کر لے۔ حسن و ادا کے ساتھ ساتھ میرے پاس دماغ بھی ہے۔ میری پرواہ کرنے کی قطعی ضرورت نہیں۔''

تتلی نے فاختہ کی باتوں کو پوری طرح نظر انداز کر دیا۔ دن ڈھلتے ہی تتلی اڑتے اڑتے کھیت کی جانب نکل پڑتی ہے۔ اسے کھیت کے ایک کنارے گلاب کے پودے نظر آتے ہیں۔ ان پودوں پر گلاب کے سرخ سرخ پھول کھلے ہوئے تھے۔ تتلی للچائی نظروں سے گلاب کے ان خوبصورت پھولوں کو دیکھتی ہے۔ گلاب کے ان پودوں کے درمیان مکڑا پہلے سے ہی گھات لگائے بیٹھا تھا۔ تتلی جیسے ہی ان گلابوں پر بیٹھنے کے لیے نیچے اترتی ہے، اچانک اس کے نازک نازک پنکھ ان جالوں میں پھنس جاتے ہیں۔ وہ مکڑے کے جالوں سے نکلنے کی بہت کوشش کرتی ہے لیکن ناکام ہوتی ہے۔ اس کے خوبصورت پنکھ جگہ جگہ سے اکھڑ جاتے ہیں۔ تتلی کو اپنے تکبر اور نادانی پر بہت شرمندگی ہوتی ہے۔ آخرکار مکڑا اسے اپنا شکار بنا لیتا ہے۔

■

Dr. Mahboob Hasan
Urdu Department
DDU, Gorakhpur University
Gorakhpur - 273009 (UP)
Mob.: 8527818385

کہانی

انصاف کا تقاضا

عبدالناصر

بات پرانے زمانے کی ہے۔ کسی علاقے میں نظیر احمد کی شیشوں کی دکان تھی جہاں بہت سے کاریگر کام کرتے تھے۔ ان کا قاعدہ تھا کہ وہ روزانہ ایک دفعہ اپنی فیکٹری کا ضرور چکر لگا لیا کرتے تھے اور ہر کاریگر کے قریب رک کر اس کے کام کرنے کے طریقے پر غور و فکر کیا کرتے تھے۔

ان کی دکان میں ہر قسم کے شیشے کا کام ہوتا تھا جس میں ہر قسم اور سائز کے آئینے بنا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ فرمائش ہونے پر وہ قد آدم آئینہ بھی بنایا کرتے تھے۔ تمام کاریگروں کے لیے ان کی ہدایت تھی کہ وہ شیشے کا کام کرتے وقت نہایت احتیاط اور دل جمعی سے کام کریں تاکہ کہیں سے بھی شکایت نہ آئے۔ شیشہ ایک ایسی چیز ہے جو معمولی سے ٹھوکر سے پاش پاش ہو جاتا ہے اس لیے اس کے کام میں یکسوئی لازم ہے۔ ورنہ اس کی قدر و قیمت خاک میں مل جاتی ہے۔

نظیر احمد کے علاقے میں ایک نواب صاحب بھی رہا کرتے تھے۔ جب بھی وہ گھر سے باہر نکلنے کا ارادہ کرتے تو اپنی عادت کے مطابق چند لمحوں کے لیے ہی سہی، قد آدم آئینے کے روبرو کھڑا ہونا لازم خیال کرتے تھے۔ اتفاق کی بات ہے کہ ایک دن وہ آئینہ ٹوٹ گیا۔ جب انھیں اس کی اطلاع ملی تو ان کی پیشانی پر شکن آ گئے۔ انھوں نے فوراً اپنے مصاحبوں کو طلب کیا اور ان سے دریافت کیا کہ کیا کوئی اس علاقے میں ماہر شیشہ گر ہے جو ان کے لیے ویسا ہی ایک قد آدم آئینہ تیار کر سکے۔ ان کے مصاحبوں میں سے ایک جو نظیر احمد سے واقف تھا اس نے نظیر احمد کا نام لیا۔ ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ وہ اس فن کا ماہر شخص ہے اگر وہ چاہے تو ایسا ہی قد آدم آئینہ تیار کر سکتا ہے۔ نواب صاحب یہ سن کر خوش ہو گئے۔ انھوں نے حکم دیا کہ شیشہ گر کو دربار میں بلایا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

اگلے دن نظیر احمد دربار میں پہنچے تو ان کا خاطر خواہ استقبال کیا گیا۔ پھر نواب صاحب نے انھیں ایک قد آدم آئینہ بنانے کا حکم دیا۔ یہ سن کر انھوں نے کہا۔

''جی بہت خوب! میں کوشش کروں گا کہ اس جیسا ہی

ایک آئینہ تیار کردوں لیکن مجھے کم از کم ایک ماہ کی مہلت دیجیے۔"

"ٹھیک ہے آپ کو یہ مہلت دی جاتی ہے لیکن اس سے زیادہ تاخیر درست نہیں۔" یہ نواب صاحب کا جواب تھا۔

یہ اس وقت کی بات ہے جب آج کل کی طرح شیشہ بنانے کے کارخانے ہر جگہ عام نہیں تھے بلکہ شیشہ گروں کو اپنے مکان پر ہی یہ کام کرنا ہوتا تھا۔ نظیر احمد نے گھر پہنچ کر یہ کام اپنے ایک تجربہ کار کاریگر کے سپرد کر دیا اور اسے ہدایت دی کہ یہ کام ایک ماہ سے قبل ہی پورا کرنا ہے تاکہ نواب صاحب کی خدمت میں اسے پیش کیا جاسکے۔

اور پھر وہ دن قریب آگیا جب نظیر احمد اس قد آدم آئینہ کو لے کر نواب صاحب کے یہاں پہنچے۔ نواب صاحب اسے دیکھ کر کافی خوش ہوئے اور اسے ایک کمرے میں لگانے کا حکم دیا۔ نظیر احمد اپنے کام سے خوش اور مطمئن ہو کر وہاں سے واپس لوٹے۔

چند دنوں کے بعد انھیں یہ اطلاع ملی کہ وہ شیشہ درمیان سے ٹوٹ گیا اور اس جیسا دوسرا شیشہ بنانے کی ضرورت ہے۔ اس لیے نواب صاحب نے انھیں طلب کیا ہے۔

یہ خبر پا کر نظیر احمد کو یہ ڈر ستانے لگا کہ شیشہ ٹوٹنے کی وجہ سے کہیں نواب صاحب ناراض نہ ہو گئے ہوں۔ پھر بھی انھوں نے نواب صاحب سے ملنے کا ارادہ کر لیا۔ جب وہ نواب صاحب کی دربار میں پہنچے تو ناراض ہونے کی بجائے انھوں نے نظیر صاحب کو اپنے سامنے بٹھایا اور سارا واقعہ کہہ سنایا کہ جب وہ کل صبح آئینہ کے سامنے کھڑے ہو کر اپنی شبیہ دیکھ رہے تھے تو نہ جانے کہاں سے ایک بھنوا ن کی جانب دوڑتا نظر آیا۔ اس سے بچ بچاؤ کے دوران وہ آئینہ سے ٹکرا گئے اور آئینہ ٹوٹ گیا۔

یہ سن کر نظیر احمد کی جان میں جان آئی۔ انھوں نے نواب صاحب سے نرمی سے کہا کہ جو تقدیر میں لکھا ہوتا ہے وہ بہر حال ہو کر رہتا ہے۔ اب میں ایک دوسرا آئینہ بنا کر دے دوں گا لیکن خیال رہے کہ اسے کسی مناسب مقام پر نصب کر دیا جائے تاکہ یہ دوبارہ ٹوٹ پھوٹ سے محفوظ رہے۔

"ٹھیک ہے، میں اسے کسی محفوظ جگہ نصب کراؤں گا تاکہ دوبارہ ایسی نوبت نہ آئے۔" نواب صاحب نے جواب دیا۔

چند دنوں کے بعد نظیر احمد نے ویسا ہی دوسرا آئینہ بنا کر نواب صاحب کو دے دیا۔ نواب صاحب اسے دیکھ کر کافی خوش ہوئے۔ انھیں تو لگ رہا تھا گویا انھوں نے پھر سے کوئی گم شدہ خزانہ پا لیا ہو۔ یہ آئینہ پہلے کے مقابلے کہیں زیادہ بڑا اور روشن تھا۔ نواب صاحب اس وقت خوشگوار موڈ میں تھے۔ اس لیے انھوں نے نظیر صاحب سے کہا کہ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ جب دنیا میں کوئی آئینہ نہیں تھا تو لوگ اپنا چہرہ کیوں کر دیکھتے ہوں گے؟

یہ سن کر نظیر احمد کچھ دیر کے لیے سوچنے لگے کہ کیا کہیں اور کیا نہ کہیں؟ کیونکہ نواب صاحبان کا مزاج پل میں تولہ پل میں ماشہ ہوتا ہے اور وہ جس بات سے خوش ہوتے ہیں اسی بات سے ناراض بھی ہو جاتے ہیں۔ پھر بھی انھوں نے بڑی جرأت سے کہا کہ جب دنیا میں آئینہ نہ تھا اس وقت لوگ اپنا عکس ٹھہرے ہوئے پانی میں دیکھا کرتے تھے۔ اس وقت کسی برتن میں پانی رکھ کر اس میں اپنا عکس دیکھنا انسان کا معمول تھا۔ رفتہ رفتہ انسانوں کے دماغ میں آئینہ بنانے کا خیال پیدا ہوا اور آئینہ ایجاد ہوا۔ تب سے اب تک ہر قسم کے شیشے اور آئینے بن چکے ہیں جن کا روزمرہ کی زندگی میں برابر استعمال ہوا کرتا ہے۔ اب تو یہ صورت حال ہے کہ ہر قسم کے آئینے دستیاب ہیں۔

نظیر احمد کی اس حاضر جوابی سے نواب صاحب کافی خوش ہوئے۔ ساتھ ہی انھوں نے شیشہ گری کے فن کو آگے بڑھانے کی کوشش کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ خدا کا شکر

ہے کہ آج ہماری ریاست میں ایسے افراد موجود ہیں جو شیشہ گری کے فن میں ماہر ہیں اور اس فن کو آگے بڑھانے میں دلچسپی بھی رکھتے ہیں۔ پھر انھوں نے بہت سے تحفے تحائف دیکر نظیر احمد کو رخصت کیا۔

جب نظیر احمد گھر واپس لوٹ رہے تھے تو انھیں خیال آیا کہ آئینے کی تیاری میں ان کا کوئی خاص رول نہیں تھا بلکہ اگر انصاف کی بات کی جائے تو اس کا سہرا اس تجربہ کار کاریگر کے سر جاتا ہے جس نے دونوں دفعہ آئینہ بنانے میں خصوصی دلچسپی لی تھی کیوں نہ میں یہ سارے تحفے تحائف اس کاریگر کو دے کر اس کا دل بڑھاؤں۔

گھر پہنچ کر نظیر احمد نے اس تجربہ کار کاریگر کو اپنے یہاں بلایا اور آئینہ بنانے کے متعلق کافی باتیں کیں اور کہا کہ تمھارے بنائے ہوئے آئینے کو نواب صاحب نے کافی سراہا اور بطور انعام تمھیں کچھ تحفے تحائف انھوں نے روانہ کیے ہیں۔ اسے قبول کرلو تا کہ نواب صاحب کو خوشی ہو اور تمھیں بھی اپنی محنت کا صلہ مل جائے۔

کاریگر کو اور کیا چاہیے تھا کہ اس کے فن کی قدردانی ہو رہی تھی۔ اس موقعے پر اس نے نظیر احمد کو کافی دعائیں دیں۔

آج نظیر احمد نے حق بہ حقدار رسید کے اصول پر عمل کرتے ہوئے کاریگر کے ساتھ حقیقی انصاف کیا تھا۔ ان کا دل اب کافی پرسکون تھا۔ انھیں لگ رہا تھا کہ ان کے سر سے ایک بھاری بوجھ اتر چکا تھا اور وہ خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہے تھے۔ یہ سب ان کی نیک نیتی کی بنا پر ہوا تھا۔

■

Abdul Naseer
Vill.: Pakthoul, P.O: Khizer Chak
Via: Barauni- 851112
Distt.: Begusarai (Bihar)
Mob.: 9718941763

Subscription Form "Bachon Ki Duniya"

سالانہ خریداری فارم

میں بچوں کی دنیا' کا رکی سالانہ خریدار بننا چاہتا/ چاہتی ہوں۔

100 روپے کا ڈرافٹ/ منی آرڈر..بتاریخ...

بنام National Council for Promotion of Urdu Language منسلک ہے۔

میں نے زرتعاون سالانہ -/100 روپے A/C: 90092010045326، IFSC: CNRB0019009

میں جمع کروادیا ہے۔

آپ 'بچوں کی دنیا' ایک سال کے لیے اس پتے پر بھجوائیں:

نام : ....

پتہ : ....

....

....

اس فارم کو درج ذیل پتے پر بھیج دیں:

Sales Department: NCPUL, West Block 8, Wing7, RK Puram, New Delhi - 110066

فون:011-26109746 فیکس:011-26108159, Email.: magazines@ncpul.in

دستخط

نیک ارادہ

محمد عرفان

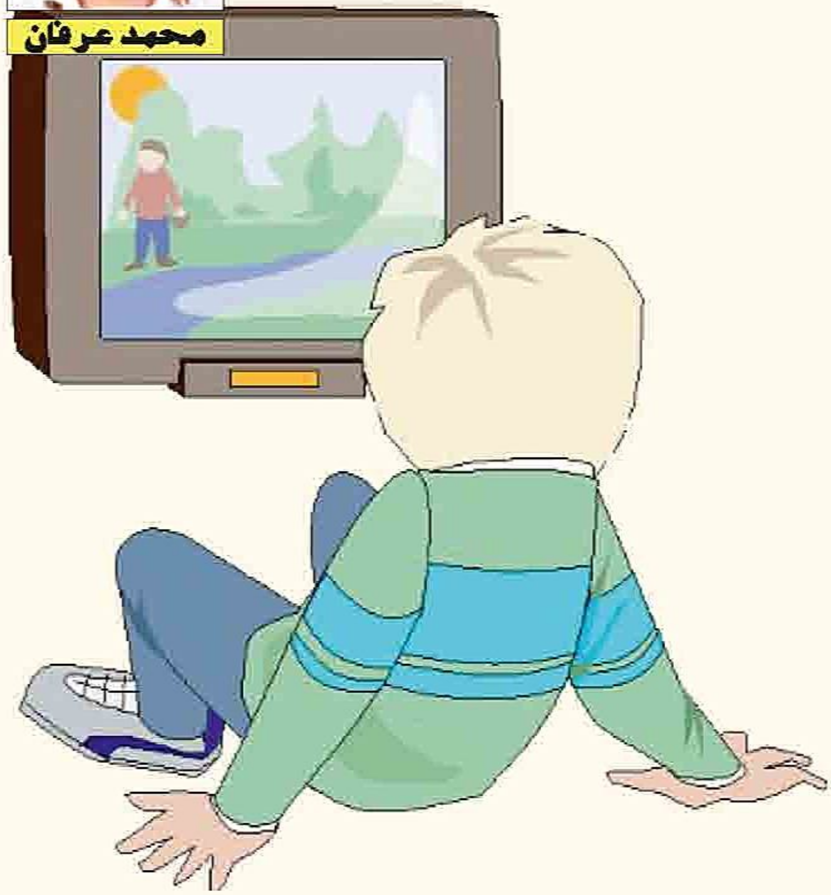

حامد بہت اچھا لڑکا ہے۔ وہ پڑھنے میں بہت ہوشیار ہے اور اپنے آس پاس کی چیزوں کو بہت محسوس کرتا ہے۔ اس کے والدین بھی اس سے بہت محبت کرتے ہیں اور گھر میں ہر ضرورت اس کی پوری ہوتی ہے۔ وہ وقت پر اسکول جاتا ہے اور گھر آکر ہاتھ پیر دھو کر اسکول کے سارے کام پورا کرتا ہے۔ امّی اس کے لیے کھانا لاتی ہیں اور وہ کھانا کھا کر پھر ٹی وی دیکھنے لگتا ہے۔

اس کو ٹی وی پر معلوماتی چینل دیکھنا بہت پسند ہے۔ پوری دنیا میں کیا ہو رہا ہے اس کو جاننا بہت اچھا لگتا ہے۔ کبھی کبھی ٹی وی میں غریب بچوں کی بھوک کو دیکھ کر بہت پریشان ہو جاتا ہے اور خود بھی کھانا چھوڑ دیتا ہے۔ حامد چاہتا ہے کہ جس طرح مجھے کھانا مل رہا ہے، اسی طرح پوری دنیا کے بچوں کو کھانا ملے لیکن وہ ابھی بہت چھوٹا ہے۔ وہ کر ہی کیا سکتا ہے۔

حامد کی ماں باورچی خانے سے حامد کو کھانا لا کر دیتی اور وہ کھاتا رہتا اور ٹی وی کو بڑے غور سے دیکھتا رہتا تھا۔ شام کو جب حامد کے والد صاحب گھر پر آئے تو انھوں نے حامد کا حال چال پوچھا اور یہ بھی پوچھا کہ اسکول میں کیا ہو رہا ہے۔ اس کی پڑھائی کیسی چل رہی ہے۔

اور جب شام کو حامد کے والد صاحب خبریں سننے کے لیے ٹی وی کو چالو کیا تو اس میں کوئی حرکت نہیں ہو رہی تھی اور ٹی وی خراب ہو چکی تھی۔ ان کے والد صاحب نے تار وغیرہ کو چیک کیا، کرنٹ کی سپلائی کو چیک کیا، ریموٹ کے سیل کو بدل دیا لیکن پھر بھی ٹی وی start نہیں ہوئی۔ حامد کے والد صاحب کو لگا کہ ٹی وی خراب ہو گئی ہے۔ اس لیے وہ اب چل نہیں رہی ہے۔

یہ سن کر حامد بڑا پریشان ہو گیا اور اپنے والد سے ٹی وی کو صحیح کروانے کی ضد کیا۔ حامد کے والد صاحب نے کہا ”کل الیکٹریشن کو دکھا کر ٹی وی کو صحیح کرا دیا جائے گا۔

دوسرے دن جب الیکٹریشن آیا۔ اس نے ٹی وی کو چیک کیا تو اس میں کچھ کچرا نکلا۔ جس کو اس نے صاف کر دیا اور ٹی وی کو پھر سے چالو کر دیا۔ ٹی وی پھر سے چلنے لگی لیکن کچھ دنوں بعد وہ ٹی وی پھر سے خراب ہو گئی۔ اس بار بھی حامد

کے والد صاحب نے اپنی پوری کوشش کی لیکن ٹی وی کو آن نہ کر سکے اور آخر میں پھر انھیں ٹی وی الیکٹریشن کو بلانا پڑا۔ الیکٹریشن جب دوبارہ آیا تو اس نے پھر دوبارہ اس ٹی وی میں کچرا پایا لیکن وہ کچرا کسی آٹے کی طرح دکھ رہا تھا۔

حامد کے والدین پریشان تھے کہ آخر آٹا اس میں آتا کہاں سے ہے۔ اس میں روٹی کے ٹکڑے کہاں سے آتے ہیں۔ انھیں لگا کہ شاید کوئی چوہا اس میں گھس کر روٹی وغیرہ ڈال جاتا ہے۔ جیسا کہ چوہوں کی عادت ہے کہ وہ اپنا کھانے کا سامان کسی نہ کسی جگہ اکٹھا کرتے رہتے ہیں تاکہ ضرورت پر کام آئے۔ حامد کے والدین نے یہ سمجھ لیا کہ اس میں روٹی چوہا ہی لاکر رکھتا ہے۔ اس لیے انھوں نے اپنے گھر میں 'پیسٹ کنٹرول' کو بلا کر پورے گھر کو 'ریٹ فری' کروایا۔

اب انھیں سکون ہو گیا تھا کہ اب کوئی چوہا ٹی وی میں گھس کر اس میں روٹی وغیرہ نہیں ڈالے گا اور ٹی وی خراب نہیں ہوگی لیکن کچھ دنوں بعد ہی ٹی وی پھر سے خراب ہو گئی۔ اس بار ان کے والد کو غصہ آرہا تھا کہ آخر بار بار یہ ٹی وی کیوں خراب ہو رہی ہے۔ انھوں نے پھر الیکٹریشن کو بلایا اور ٹی وی کی پھر سے جانچ کروائی۔ اس بار بھی اس میں روٹی کے ٹکڑے پائے گئے۔ اب غصہ حد سے بڑھ چکا تھا۔ یہ لوگ بہت پریشان تھے۔ ان لوگوں کو لگ رہا تھا کہ یہ حامد کر رہا ہے کیونکہ ہم نے تو چوہوں کو مار بھگایا ہے۔ تب اس میں روٹی کون ڈالتا ہے اور ہمارے گھر پر تو کوئی آتا بھی نہیں ہے۔ حامد کی ماں نے حامد کے والد کو سمجھایا کہ آپ فکر نہ کریں میں دیکھتی ہوں۔

حامد کی ماں نے غور کرنا شروع کیا اور ٹی وی پر نظر بنائے رکھی۔ جب حامد ٹی وی اسٹاٹ کرتا تو اس کو وہ چپکے چپکے باورچی خانے سے دیکھتی رہتی۔

ایک دن ایسا ہوا کہ حامد ٹی وی دیکھ رہا تھا کہ اس میں کچھ غریب بچوں کو دکھایا جا رہا تھا جو بھوک سے بلک رہے تھے۔ ان کو بھوک سے بلکتا دیکھ کر حامد اپنے کھانے کے لیے جو روٹی لیے ہوئے تھا۔ اس کو وہ دھیرے دھیرے ٹی وی میں ڈال رہا تھا۔ حامد عمر میں چھوٹا تھا۔ اس کو لگ رہا تھا کہ اگر یہ روٹی کا ٹکڑا ٹی وی میں ڈالا جائے تو وہ ان لوگوں کو مل جائے گی۔ جو بچے اس ٹی وی میں بھوک سے بلک رہے ہیں۔ جیسا کہ ہم لوگ بچپن میں سوچا کرتے تھے کہ جو لوگ ٹی وی میں ہیں۔ وہ سچ میں اس کے اندر ہیں۔

حامد کو دیکھ کر اس کی ماں کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور انھوں نے حامد کو گلے سے لگا لیا۔ انھیں اپنی غلطی کا احساس ہو رہا تھا کہ وہ ناحق ہی حامد کو ڈانٹ رہی تھی اور انھیں یہ بھی احساس ہو رہا تھا کہ ان کا بیٹا اس سماج کو لے کر کتنا حساس ہے۔

شام کو جب حامد کے والد گھر آئے تو حامد کی والدہ نے ان کو پورا واقعہ سنایا۔ یہ سن کر حامد کے والد بہت خوش ہوئے اور حامد کو اپنے گلے سے لگا لیا اور ٹی وی کو بار بار خراب کرنے کے لیے حامد کو کوئی ڈانٹ نہیں لگائی۔ بلکہ اپنے حساس بیٹے کے ذہن کی داد دی اور کہا ''بیٹا تم دنیا میں بہت اچھا کام کرو گے اور ہم سب کو مل کر اس سماج سے بھوک کو مٹانے کی کوشش کرنی چاہیے۔'' تم پڑھ لکھ کر آگے بڑھنا اور ان لوگوں کے لیے کام کرنا، جن کو آج روٹی میسر نہیں ہے...

حامد نے 'ہاں' میں سر ہلایا اور سبھی لوگ خوش تھے...

■

Dr. Mohd Irfan
Near Ayesha Masjid, 11/3
Gali No.:6, Sangam Vihar
Wazeerabad
Delhi- 110084
Mob.: 9205305474

فہیم ادیب فاروقی

پپو لال ہوگیا

گرمی کا موسم تھا۔ دھوپ بہت تیز تھی۔ گھڑی میں دن کے تقریباً ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔ وقت کے ساتھ ساتھ درجہ حرارت بھی بڑھتا جارہا تھا۔ بادام کے درخت کے سائے میں فرحان اور سہیل کشادہ آنگن میں کھیل رہے تھے۔ دس سالہ فرحان کو سب پیار سے پپو کے نام سے پکارتے تھے۔ سہیل فرحان سے بڑا تھا۔ وہ سنجیدہ طبیعت کا مالک تھا۔ جب کہ فرحان شرارتی قسم کا لڑکا تھا۔ ہر روز نئی نئی شرارتیں کر کے گھر والوں کو پریشان کرتا تھا۔ مٹی میں پانی ملانا، مختلف قسم کے برتن، کھلونے بنانا، اسے توڑنا، کھیلتے کھیلتے بادام کے درخت کو پتھر مارنا، زمین پر گرے ہوئے بادام کی تقسیم پر لڑائی کرنا اور بعد میں دوستی کر لینا جیسی عجیب و غریب حرکتیں ان دونوں کے کھیل کا حصہ تھیں۔

ایک دن، فرحان اور سہیل حسب معمول دوپہر کے وقت آنگن میں کھیل رہے تھے۔ کشادہ آنگن میں سہیل بکھری ہوئی مٹی کو سمیٹ رہا تھا۔ فرحان ایک کونے میں بادام کے درخت کے قریب چھاؤں میں بیٹھ کر جمع شدہ مٹی میں پانی ملا رہا تھا کہ اچانک پانی کی بالٹی اس کے ہاتھوں سے پھسل گئی۔ سارا پانی آنگن میں موجود بادام کے درخت کے قریب باریک سوراخوں میں داخل ہونے لگا، جس سے ان سوراخوں سے چھوٹی بڑی لال چونٹیاں باہر نکلنے لگیں۔ فرحان چونکہ اپنی دھن میں تھا۔ اسے پتا بھی نہ چلا اور دیکھتے ہی دیکھتے چونٹیاں فرحان کے ہاتھوں پیروں اور کپڑوں پر چلنے لگیں۔ وہ چیخنے لگا۔ آنگن کے دوسرے حصے میں اپنے کام میں مشغول سہیل نے گھبراتے ہوئے پوچھا۔

"کیا ہوا پپو..."

"کچھ نہیں یہ چونٹیاں دیکھو۔"

"اللہ اکبر! یہ چونٹیاں کہاں سے آئیں؟"

پپو روتے ہوئے کپڑے جھٹک رہا تھا۔ یکایک ہاتھ، پیر لال ہوگئے۔ پیٹھ پر لال نشانات اور نہ رکنے والی کھجلی سے پپو پریشان ہوگیا۔ امی جان کو آواز دینے لگا۔

"امی جان!..... امی جان!"

امی بھاگتی ہوئی آئیں۔

"کیا ہوا میرے بیٹے کو؟"

فرحان نے پوری تفصیل بتائی۔

"اللہ اکبر! یہ تو لال، بڑی چونٹیاں ہیں! بیٹے فرحان جلدی ادھر آؤ۔"

امی جان نے جلدی جلدی فرحان کے شرٹ، پینٹ، ہاتھ، پیر جھٹک کر تمام لال چونٹیوں کو فرحان کے جسم سے دور کیا، لیکن تب تک کچھ چونٹیوں نے فرحان کو کاٹ ہی لیا۔ فرحان بے ساختہ کھجاتا رہا۔ چند ہی منٹوں میں پیٹھ لال ہوگئی۔ فرحان رونے لگا اسی اثنا میں اس کے والد سلیم صاحب اپنے پڑوسی واصف کمال کے ساتھ بازار سے گھر آئے۔

سلیم صاحب نے واصف کمال کو گھر میں بلایا۔ بڑی بہن طہورہ نے پانی سے بھرا گلاس انھیں پیش کیا اور پھر دونوں ضروری باتیں کرنے لگے۔ اسی اثنا میں بے چین فرحان دوڑ کر ابو کے پاس آیا۔

"ابو! ابو! دیکھیے، مجھے چونٹیوں نے کاٹا ہے۔"

"فرحان! کیا ہوا میرے بیٹے کو؟"

"ابو! لال چونٹیوں نے زور زور سے کاٹا۔ بہت تکلیف ہو رہی ہے۔"

"کہاں؟ کب؟ کیسے ہوا یہ سب تفصیل بتاؤ۔"

فرحان نے تفصیل بتائی تو ابو نے کہا۔

"کچھ نہیں ہوتا میرے بیٹے کو"

فرحان کی پیٹھ پر جہاں جہاں لال نشانات تھے وہاں سہلاتے ہوئے ابو واصف انکل سے مخاطب ہوئے:

"دیکھیے واصف صاحب! نئی مصیبت پھر آگئی۔"

واصف کمال ہلکا سا مسکرائے۔

(واصف کمال پڑھے لکھے انسان تھے انھیں سائنس کی باتیں اور بہت سارے گھریلو نسخے معلوم تھے۔)

دوبارہ مسکراتے ہوئے سلیم میاں سے مخاطب ہوئے۔

"یہ معمولی بات ہے۔ اکثر کیڑے مکوڑے/حشرات جب ہمیں کاٹتے ہیں تو وہ زیادہ تر فارمک ایسڈ ہمارے جسم میں داخل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ فارمک ایسڈ ایک معمولی قسم کا کمزور تیزاب ہوتا ہے۔ یہ ایک طرح کا کم اثر رکھنے والا زہر ہوتا ہے۔ جس کا اثر مختلف لوگوں کو مختلف طرح سے ہوتا ہے، کیونکہ یہ ردعمل، کیڑے کی قسم اور انسان کے جسم کی حساسیت پر منحصر ہوتا ہے۔ کیڑوں کے کاٹنے پر فارمک ایسڈ جب ہمارے جسم یعنی خون میں داخل ہوتا ہے تو اس وجہ سے خون کے خلیات میں مخصوص قسم کی تبدیلی ہو کر تکلیف ہوتی ہے۔ حالانکہ ہمارے جسم میں پہلے سے معمولی مقدار میں قدرتی طور پر فارمک ایسڈ پایا جاتا ہے لیکن حشرات کے ذریعے جب جسم میں داخل ہوتا ہے تو سوجن کے ساتھ ساتھ کبھی کبھار جلن بھی محسوس ہوتی ہے اور لال دھبے بھی دکھائی دیتے ہیں۔"

فرحان کھجلی سے پریشان ہو رہا تھا۔ بھاگتا ہوا واپس اپنی ماں کے پاس آیا۔

"امی! امی! جلدی یہاں کھجائیے۔"

ادھر سلیم میاں نے بات کو جاری رکھتے ہوئے کہا:

"خدا جانے کتنی دیر تک اس کا اثر رہے گا؟ فرحان میاں کب تک پریشان رہیں گے؟"

واصف انکل نے جواباً کہا کہ

"سائنسی تحقیق کے مطابق چھوٹے موٹے کیڑے جب کاٹتے ہیں تو ان کے زہر کا اثر زیادہ سے زیادہ 24 گھنٹے تک ہی رہتا ہے۔ بڑے زہریلے جانوروں کی بات الگ ہے۔ وہ خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں۔ ان کے کاٹنے سے موت بھی واقع ہو سکتی ہے، مگر یہ تو چونٹیاں ہیں۔ فکر کی بات نہیں۔ جلد پر سوجن یا لال رنگ کے دھبے تین تا چار دن تک رہ سکتے ہیں۔ ہاں!

بعض اوقات جلن بھی محسوس ہوتی ہے۔ لیکن یہ وقتی ہوتی ہے۔"

"سلیم صاحب! آپ جائیں اور بچے کے جسم پر برف کے ٹکڑے ملیں اور ممکن ہو تو ٹوتھ پیسٹ بھی لگائیں۔ اس سے چیونٹی کے کاٹنے کا اثر کم ہو جاتا ہے۔ یہ مفید گھریلو نسخہ ہے، لیکن اسے صرف چھوٹے کیڑے مکوڑوں کے کاٹنے پر ہی اپنانا چاہیے، لیکن اگر کھجلی اور جلد پر نشانات شدت سے ہوں تو ڈاکٹر سے رائے مشورہ بہت ضروری ہے۔

جایئے آپ۔ دیکھیں۔ میں چلتا ہوں۔

اللہ حافظ

جیسے ہی واصف کمال رخصت ہوئے فرحان کے والد نے فوراً فرحان کی والدہ کو برف اور ٹوتھ پیسٹ ملنے کو کہا۔ امی برف مل رہی تھیں۔ جب کہ ابو فرحان کی لاپرواہی پر غصہ ہو رہے تھے۔

"کیا ہوا فرحان میاں...؟"

یہ کیا کر دیے آپ نے؟

"آنگن میں دیکھ کر کھیلا کریں۔"

فرحان کو مزید ابو کی ڈانٹ پڑنے کا امکان تھا کہ بہن طہورہ سمجھ گئی اور بے ساختہ مسکراتے ہوئے کہا۔

خیر! جو ہوا سو ہوا! کوئی بات نہیں۔ فرحان آئندہ خیال رکھیے اور یاد رکھیں کوئی بھی کھیل، کھیل رہے ہو تو سمجھداری، ہوشیاری سے کھیلیں۔ کھیل کے دوران دائیں بائیں نظر رکھیں۔ ہمیشہ یاد رکھیں نقصاندہ جانوروں سے دور رہیں۔

فرحان نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا....

"جی... آپی میں آئندہ خیال رکھوں گا۔"

"ہمارا پپو لال ہو گیا" مسکرا کر کہتے ہوئے طہورہ نے فرحان کو سینے سے لگایا۔ جیسے جیسے وقت آگے بڑھتا گیا، فرحان کی تکلیف دھیرے دھیرے کم ہوتی گئی اور مسکراہٹ بڑھتی گئی۔

■

Fahim Adib Farooqui
Farooqui Palace, H.No.: 1318
Near Jame Masjid, Ajanta
Aurangabad - (Maharashtra)
Mob.: 9960788301

عبدالرشید اعظمی

منّی کا تحفہ

ملک و قوم کا سب سے حساس و باشعور طبقہ شعرا و تخلیق کار کا ہوتا ہے۔ حکومت ہند کے نعرے 'بیٹی پڑھاؤ بیٹی بچاؤ' کا سب سے زیادہ اثر اسی طبقے نے قبول کیا ہے نیز این سی ای آر ٹی کی ابتدائی و ثانوی کتابیں 'کھیل کھیل میں آموزش' کے اصول پر تیار کی جاتی ہیں تاکہ بچوں پر بوجھ نہ محسوس ہو۔

محمد شفیع الدین نیر بھی اس اصول و کلیے سے مستثنیٰ نہیں۔ انھوں نے بھی بچوں کی تعلیم بالخصوص بچیوں کے لیے مذکورہ بالا اصولوں کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے نظمیں تخلیق کیں تاکہ بچیاں جو پہلا مکتب کا درجہ رکھتی ہیں، بصد اشتیاق انھیں پڑھیں اور رہنمائی حاصل کریں نیز ان میں مزید تعلیم حاصل کرنے کا جذبہ پیدا ہو۔ شفیع الدین نیر کی کتاب 'منّی کا تحفہ' کی ترتیب نہایت منطقی انداز و اسلوب لیے ہوئے ہے۔ اولاً خالق کائنات کی عطا و عنایت کے طور پر ایک حمد پیش کی ہے جس کے ذریعے ایک لڑکی اپنی ساتھیوں کو خدا اور اس کی عنایات و الطاف کا شکریہ ادا کرنے کے لیے مہمیز کرتی ہے اور خدا کے احسانات شمار کرتی ہے۔

اللہ کی تعریف و توصیف سے لڑکی خدا کے سامنے اپنا مدعا و منشا بیان کرتی ہے جو نظم دعا کی صورت میں کتاب کی زینت میں اضافہ کرتی ہے۔ شفیع الدین نیر نے ایک لڑکی کی طلب و خواہش بہت اچھے اسلوب میں نظم کی ہے۔ ایک لڑکی اچھے اور نیک کام کرنے و نیکی کی ترغیب و تشہیر کی التجا کرتی ہے۔ دنیا و آخرت کو سنوارنے کی استدعا کرتی ہے۔

حمد و دعا کے بعد نظموں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جس کی پہلی نظم کا عنوان ہے 'کاش میں گڑیا ہوتی'، بچوں کی فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ ہر خوش رنگ و خوشنما چیز کی طرف لپکتے ہیں۔ بعض دفعہ خود وہی بننا چاہتے ہیں۔ 'کاش میں گڑیا ہوتی' نظم میں اسی طفلانہ فطرت کی عکاسی کی گئی ہے۔ یہ رنگ برنگی گڑیوں کو دیکھ کر للچاتی ہے اور خود گڑیا بننے کی خواہش کرتی ہے لیکن اسے اچانک خیال آتا ہے کہ گڑیا تو بے جان شے ہے۔ اس لیے مجھے گڑیا نہیں بننا ہے۔ اس نظم کے بعد شفیع صاحب نے بچوں کی فطرت کی عکاسی ہے۔ بچوں کی ایک فطرت ہے کہ وہ معصوم و خوبصورت چرندوں، پرندوں کو دیکھ کر مچل جاتے ہیں، انھیں پانے کی خواہش ان کے دل میں کروٹیں لینے لگتی ہیں۔ اسی طرح کی ایک خواہش بچی کے دل میں مرغی دیکھ کر پیدا ہوتی ہے۔ آخر وہ مرغی حاصل کر لیتی ہے۔ یہاں پر شفیع الدین نیر نے مرغی اور چوزے کے تولیدی مراحل کو بڑے ہی خوبصورت پیرائے میں بیان کیا ہے۔ چوزوں کے انڈوں سے نکلنے سے لے کر ان کے بڑے ہونے و تحفظ کو مرئی شکل دے دی ہے۔ گویا ایک مشاہدے کو دلکش نظم میں ڈھال دیا ہے۔

کتاب 'منّی کا تحفہ' تیس نظموں پر مشتمل مجموعہ ہے۔ اس کی نظمیں مختلف مشاہدات، مطالعات اور سینہ بہ سینہ منتقل ہونے والی کہانیوں کے اجزا پر لکھی گئی ہیں۔ کہیں کہیں مزاح کا لطف بھی ملتا ہے جیسے ایک نظم 'بڑھیا بدل گئی' ہے۔ یہ نظم قدرے طویل ہے، لیکن بڑی پرلطف ہے۔ ایک چنچل لڑکے نے بڑھیا کے ساتھ ایک خوشنما مذاق کیا، جس سے پوری آبادی والے محظوظ ہوئے۔ اس مجموعے میں ایسی نظمیں بھی ملتی ہیں جو غیر محسوس طور پر ہنسی مذاق کرتے ہوئے سنجیدہ مسائل و تعلیم و تعلم کی طرف لے جاتی ہیں اور بچوں کے اندر حصول علم کا جذبہ و شوق پیدا کرتی ہیں جیسے تفریحی نظمیں پڑھتے پڑھتے بچہ 'پڑھنا کتاب کا مجھے بے حد پسند ہے'

وقت کی قدر‘ ہم کس طرح تندرست رہیں‘ جیسی نظموں کا مطالعہ کرتا ہے، اس سے اس کی زندگی میں ایسا موڑ آتا ہے جو اسے زندگی سنوارنے سجانے، نیز تعمیر و تحسین کی سمت گامزن کرتا ہے۔ یہیں سے اس کے اندر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے، نفیس و نستعلیق زندگی گزارنے کا شوق بیدار ہوتا ہے۔ شفیع الدین نیر خاص طور پر معاشرے کو مہذب و تعلیم یافتہ مائیں دینا چاہتے ہیں جو ملک و قوم کی تعمیر میں مثبت کردار ادا کرسکیں، جس سے ہمارا معاشرہ خوبصورت اور خوب سیرت بن سکے۔ ایک نظم جس کا عنوان ’اچھی لڑکی‘ ہے۔ یہ ایک آئینے کی مانند ہے جس کو پڑھ کر لڑکیاں ویسی ہی بننا چاہیں گی، جو ایک اچھی لڑکی کی صفت ہوتی ہے، گویا تفریح تفریح میں نیر صاحب نے عمدہ تعلیم اور تربیت کا مکتب کھول دیا ہے۔

کبھی کبھی بے ادبی سے ادب اور برائی سے بھلائی کی طرف بھی راستہ نکلتا ہے۔ ایک نظم ایسی ہی ہے جو انگریزی سے ماخوذ ہے جس کا عنوان ہے ’شرارت کا مزا‘ یہ نظم بھی قدرے طویل ہے جو ایک لڑکی رشیدہ اور اس کی دادی کی کہانی بیان کرتی ہے۔ لڑکی تو نیک ہے لیکن ہر چیز کو چھونا، چھیڑنا اس کی عادت ہے۔ کوئی بھی چیز دیکھتی ہے تو اس کے اندر تجسس پیدا ہوتا ہے۔ یہی کام اس نے اپنی دادی کی عینک اور نسوار کی ڈبیا کے ساتھ کیا اور اس کے پریشان کن انجام سے دوچار ہوتی اور پھر سدا کے لیے چھیڑ چھاڑ سے توبہ کرلیا پھر کبھی ایسا کام نہیں کیا۔ گویا بیشتر تخریب میں تعمیری پہلو ہوتا ہے جس کا ادراک شفیع الدین نیر کو بخوبی ہے۔ ان کے علاوہ بہت سی نظمیں ہیں جن سے کوئی نہ کوئی سبق ملتا ہے جو زندگی میں کامیابی کا راستہ دکھاتا ہے۔ جیسے نئے سال کی آمد پر نظم ’نیا سال مبارک ہو‘ جو ایک لڑکی کی زبانی سنائی جاتی ہے اور نئے سال میں آگے بڑھنے، کچھ نیا کرنے کا حوصلہ دیتی ہے۔ ترقی کرنے، بلندیوں کو چھونے اور باوقار زندگی گزارنے کے لیے محنت و لگن سے کام کرنے کی دعوت دیتی ہے۔ مقصد تک پہنچنے کے لیے کام کی تکمیل کی بڑی اہمیت ہے۔ اسی سے سماج میں عزت ملے گی۔ کامیابی کے لیے وقت کی قدر کرنا، ہر کام اپنے

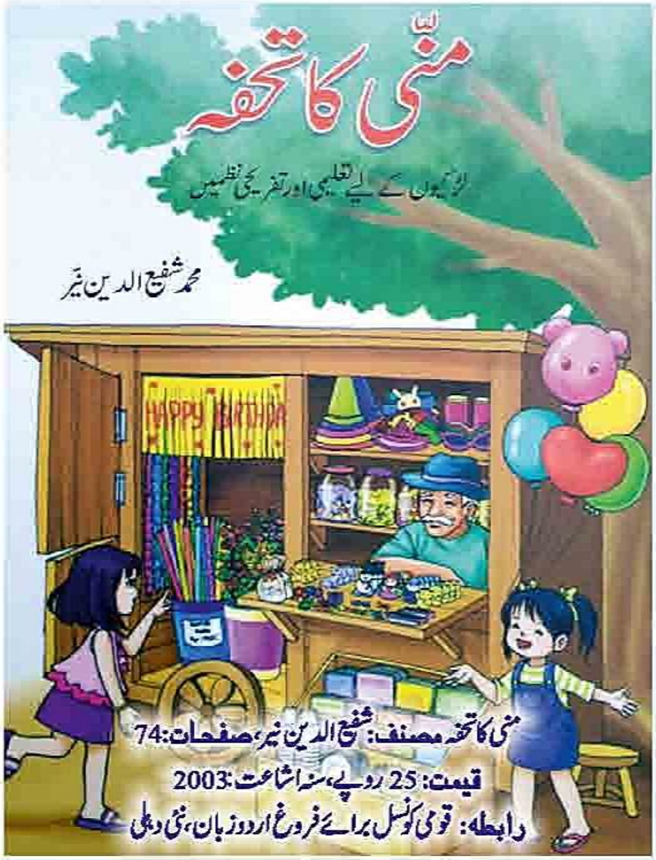

وقت پر انجام دینا نہ کہ کل پر ٹالنا۔

ایک صحت مند جسم میں صحت مند دماغ ہوتا ہے۔ شفیع الدین نیر نے طبقۂ نسواں کے لیے ایک نظم ’تندرستی سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں‘ تخلیق کی ہے۔ یہ نظم بھی ایک لڑکی کے ذریعے اس کی زبان میں تخلیق کی گئی ہے اور دنیا کی ساری نعمتوں، دھن دولت، ہیرے جواہرات سے بڑھ کر اچھی صحت ہوتی ہے۔ اگر اچھی صحت نہ ہو تو ساری دولت بیکار ہے۔ ایک مریض انسان کو دنیا بجھی بجھی سی اور پژمردہ لگتی ہے، اسے زندگی کی خوشی نہیں ملتی۔ دھن دولت اس کے لیے بے معنی ہے۔ نہ کھانے میں لذت ملتی ہے، نہ پینے میں راحت کا احساس ہوتا ہے۔ ایک مریض سدا اداس رہتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کتاب میں بہت سی نظمیں ہیں جو اپنے اندر کوئی سبق ضرور رکھتی ہیں۔

■

Abdur Rasheed Azmi
M-109, Gulmarg Apts.
Abul Fazal Enclave, Jamia Nagar
New Delhi -110025
Mob.: 9953236119

تاریخی، سائنسی اور ثقافتی معلومات

معلوماتِ عامہ بچوں کے کیریئر اور مستقبل سازی کے لیے بہت ضروری ہے۔ جنرل نالج پوری دنیا سے جوڑنے کا ایک مؤثر ترین ذریعہ ہے۔ اسی کے ذریعے مسابقہ جاتی امتحانات میں کامیابی کے دروازے کھلتے ہیں، اس لیے بچے اگر ابھی سے تاریخ، ادب وثقافت، سماج اور سائنس کے موضوعات اور معلومات پر اپنی توجہ مرکوز کریں تو مستقبل میں ان کے لیے راہیں آسان ہوجائیں گی۔

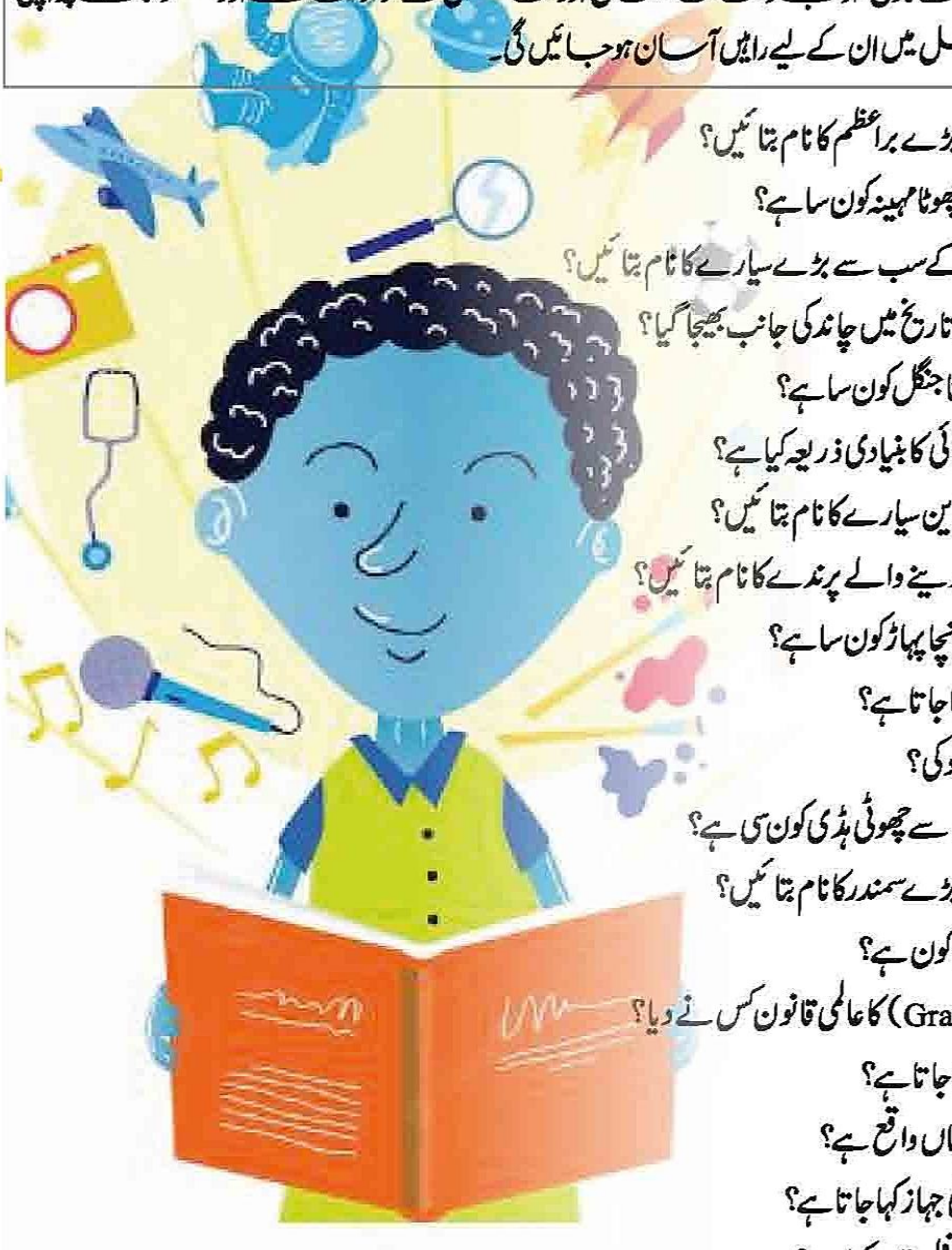

1. دنیا کے سب سے بڑے براعظم کا نام بتائیں؟
2. سال کا سب سے چھوٹا مہینہ کون سا ہے؟
3. ہمارے نظام شمسی کے سب سے بڑے سیارے کا نام بتائیں؟
4. چندریان 3 کو کس تاریخ میں چاند کی جانب بھیجا گیا؟
5. دنیا کا سب سے گھنا جنگل کون سا ہے؟
6. زمین کے لیے توانائی کا بنیادی ذریعہ کیا ہے؟
7. زمین کے قریب ترین سیارے کا نام بتائیں؟
8. سب سے بڑا انڈا دینے والے پرندے کا نام بتائیں؟
9. دنیا کا سب سے اونچا پہاڑ کون سا ہے؟
10. بابائے اردو کسے کہا جاتا ہے؟
11. ریڈیو کس نے ایجاد کی؟
12. انسانی جسم کی سب سے چھوٹی ہڈی کون سی ہے؟
13. دنیا کے سب سے بڑے سمندر کا نام بتائیں؟
14. مائکروسوفٹ کا بانی کون ہے؟
15. کشش ثقل (Gravity) کا عالمی قانون کس نے دیا؟
16. خدائے سخن کسے کہا جاتا ہے؟
17. مرزا غالب کی قبر کہاں واقع ہے؟
18. کس جانور کو صحرائی جہاز کہا جاتا ہے؟
19. ناسا (NASA) کا فل فارم کیا ہے؟
20. اے ٹی ایم (ATM) کا فل فارم بتائیں؟

(جواب صفحہ نمبر 40 پر ملاحظہ فرمائیں)

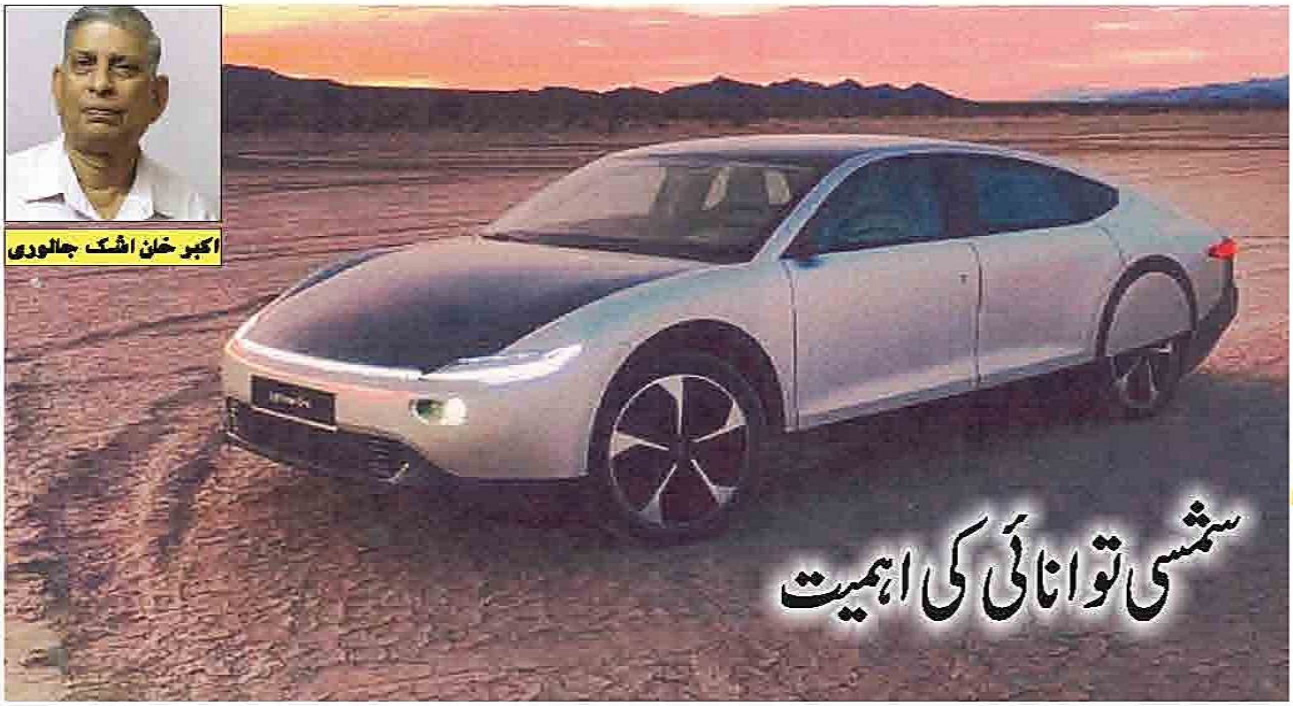

اکبر خان اشک جالوری

شمسی توانائی کی اہمیت

کسی نے ٹھیک ہی کہا ہے کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہے اور کوئلہ اور پٹرول کے ذخائر نے سائنس دانوں کو اس کے متبادل ذرائع کی ایجاد پر مجبور کر دیا ہے۔ توانائی کے متبادل شمسی توانائی (Solar-Energy) کو سب سے زیادہ اہمیت دی جا رہی ہے۔ ابتدائی دور میں شمسی توانائی سے چلنے والے چھوٹے چھوٹے آلات جیسے کیلکولیٹر، کولر، ہیٹر وغیرہ بنائے گئے، لیکن اب اس کا استعمال بڑے بڑے آلات میں کیا جا رہا ہے۔

جرمنی، فرانس، انگلینڈ، امریکہ، جاپان اور کئی مغربی ممالک نے شمسی توانائی سے چلنے والی کاروں کی تخلیق کا کام شروع کر دیا ہے۔ اس سے پٹرول کی بچت کے ساتھ ہی فضائی آلودگی بھی نہیں ہوگی۔ جرمنی 'ڈرم اسٹیڈ' ریسنگ کار کالج میں پروفیسر اور طالب علموں نے مل کر 'سولر موبائل (Solar-Mobil) نام سے ایک ایسی کار بنائی ہے، جو شمسی توانائی کی مدد سے 60 کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتی ہے۔ دوپہر کے وقت اس کی رفتار 120 کلومیٹر فی گھنٹہ تک بڑھائی جا سکتی ہے۔ سولر موبل کار کی چھت پر خلا (Space) میں بھیجے جانے والے راکٹوں میں استعمال ہونے والے چھوٹے چھوٹے سولر سیل (Solar-Cell) لگے ہیں۔ ان سے اتنی شمسی توانائی پیدا ہوتی ہے کہ یہ کار کو کافی مقدار میں بجلی دینے کے بعد بھی اتنی توانائی جمع کر لیتے ہیں کہ گھنے بادلوں اور تیز برسات میں بھی 'سولر موبل کار' 800 کلومیٹر کا سفر کامیابی کے ساتھ مکمل کر سکتی ہے۔

'سولر موبل کار' میں بہت ہی جدید ٹیکنالوجی کا کمبسٹن انجن لگا ہے جس میں بجلی بہت کم خرچ ہوتی ہے۔ 'سولر موبل کار' نے آسٹریلیا میں منعقد 3500 کلومیٹر لمبی شمسی توانائی کار ریلی جیت کر سولر موبل کار کو بہترین ثابت کر دیا ہے۔

دنیا میں جب تک کوئلہ اور پٹرولیم کافی مقدار میں دستیاب ہوتا رہا، تب تک سائنس دانوں نے توانائی کے دیگر ذرائع پر دھیان نہیں دیا لیکن اب کوئلہ اور پٹرولیم کے محدود ہوتے ذخیروں اور اس کی مہنگائی نے سائنس دانوں کو توانائی کے متبادل ذرائع کی کھوج پر مجبور کر دیا ہے۔

توانائی کے متبادل ذرائع میں شمسی توانائی (Solar-Energy) کو سب سے زیادہ اہمیت دی جا رہی ہے۔ شمسی توانائی یعنی

سورج سے حاصل ہونے والی توانائی۔ سائنس دانوں کا ماننا ہے کہ شمسی توانائی کا زیادہ سے زیادہ استعمال کر کے دنیا میں توانائی کی کمی کو دور کیا جاسکتا ہے۔ دنیا میں بڑھتے ہوئے فضائی آلودگی کے مسئلے نے شمسی توانائی کی اہمیت کو اور بھی بڑھا دیا ہے۔ کوئلہ اور پٹرولیم جیسی اشیا کو جب توانائی میں تبدیل کیا جاتا ہے تو اس کے استعمال سے ان سے کئی زہریلی گیسیز پیدا ہوتی ہیں جن سے فضا میں آلودگی کا اضافہ ہوتا ہے۔ شمسی توانائی کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس سے کسی بھی طرح کی فضائی آلودگی نہیں ہوتی ہے۔ شروعات میں شمسی توانائی سے چلنے والے چھوٹے چھوٹے آلات جیسے گھڑیاں، کیلکولیٹر، کوکر، اور ہیٹر وغیرہ بنائے گئے لیکن اب اس کا استعمال بڑے بڑے آلات میں کیا جانے لگا ہے۔ مثلاً فرانس، انگلینڈ امریکہ، جاپان اور جرمنی وغیرہ ممالک کے سائنس دانوں نے شمسی توانائی سے چلنے والی کاریں بنائی ہیں۔ ان سے پٹرول کی بچت کے ساتھ ہی ساتھ فضائی آلودگی بھی نہیں ہوتی ہے۔ خلائی سائنس (Science of Space) کے تعلق سے بھی شمسی توانائی کی اہمیت کم نہیں ہے۔ خلا میں جانے والے اکثر (Satellite) سیارے اور کھوجی مصنوعی سیاروں (Space-Sattelite) میں شمسی توانائی کا ہی استعمال کیا جاتا ہے۔ تقریباً بارہ سال پہلے چھوڑا گیا متحدہ ریاست امریکہ کا مشہور مصنوعی سیارہ 'وائزر 2' شمسی توانائی کی مدد سے کروڑوں کلومیٹر سفر کر چکا ہے اور ابھی کروڑوں کلومیٹر کا اور سفر کرے گا۔ شمسی توانائی کا استعمال کئی طرح سے کیا جاتا ہے۔ اس کا سب سے زیادہ اور آسان استعمال سولر کوکر میں ہوتا ہے۔ اس میں سورج کی کرنوں کو ایک شیشے کی مدد سے منعکس (Reflected) کر کے اس کی گرمی کو ایندھن یا توانائی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ شمسی توانائی کا دوسرا استعمال سولر پینل

(Solar Penal) شمسی بیٹری کے مجموعے کے ذریعے ہوتا ہے۔ یہ پینل سورج کی کرنوں کو بجلی یا دیگر توانائی میں بدل دیتے ہیں۔ شمسی توانائی سے چلنے والی گھڑیوں، کیلکولیٹرس وغیرہ میں شمسی توانائی اسی طریقے سے استعمال ہوتی ہے۔ ان سولر پینلز کی سب سے بڑی کمی یہ ہوتی ہے کہ سورج کی کرنوں کی غیر موجودگی میں کام نہیں کر سکتے ہیں۔ مطلب یہ کہ بادل، برسات، یا رات کے وقت ان کا استعمال نہیں کیا جاسکتا ہے۔ جدید سائنس دانوں نے سولر پینل کی اس کمی کو بھی دور کرنے میں کامیابی حاصل کر لی ہے۔ ابتدا میں ہی انھوں نے ایسے مزید سولر پینل اور سولر سیل بنا لیے ہیں جو سورج کی کرنوں سے توانائی تخلیق کرنے کے ساتھ اضافی توانائی جمع کرنے کی بھی صلاحیت رکھتے ہیں۔

■

Akbar Khan 'Ashk' Jalori
Mohalla BabshiyanFort Road
Jalore- 343001 (Rajasthan)
Mob.: 9413384093

حورین کشف عارف الدین، درجہ سوم، ضلع پریشد اردو اسکول، ہاشم پور، جلگاؤں، مہاراشٹر

آفرین بانو عبدالستار، درجہ یازدہم، گورنمنٹ اردو گرلس ہائر سیکنڈری اسکول
حریر پورہ، برہانپور، مدھیہ پردیش

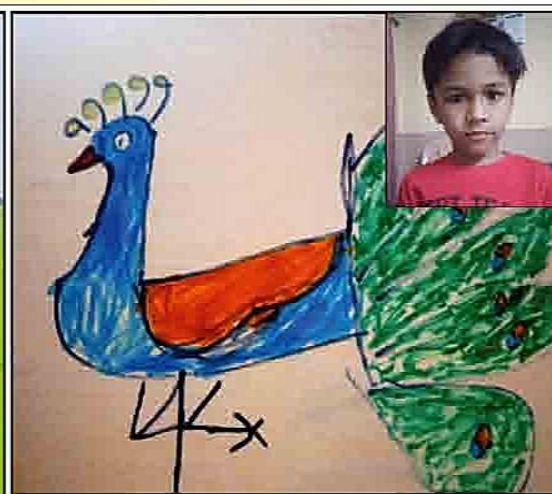

عاطف منال انصاری، کے جی سیکنڈ
چندر کلاں برہانپور، مدھیہ پردیش

بشریٰ اعجاز چودھری، درجہ ششم، المنار پرائری اینڈ ہائی اسکول، پوار بستی چکھلی، پونہ، مہاراشٹر

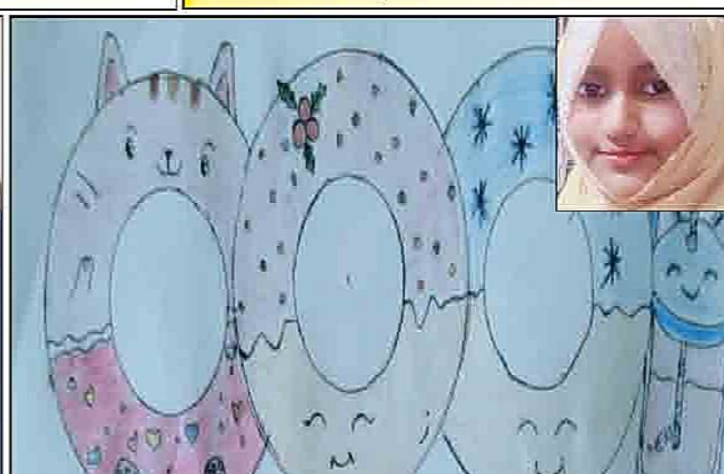

عظمیٰ آفاق چودھری درجہ ہفتم، المنار پرائمری اینڈ ہائی اسکول، پوار بستی چکھلی، پونہ مہاراشٹر

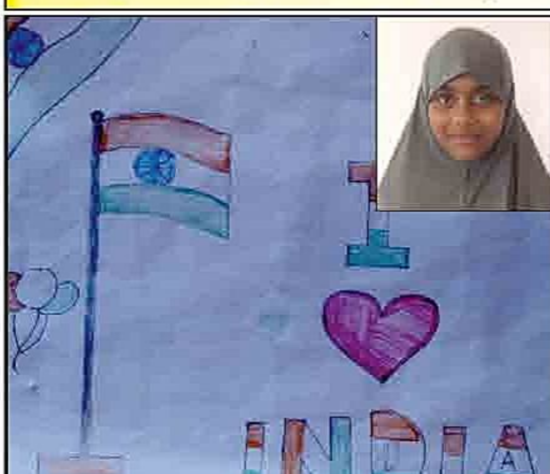

اثمیرہ انسہ تنویر الدین پٹیل، درجہ ہفتم، ضلع پریشد اردو اسکول
ہاشم پور، جلگاؤں، مہاراشٹر

ننھے فنکار

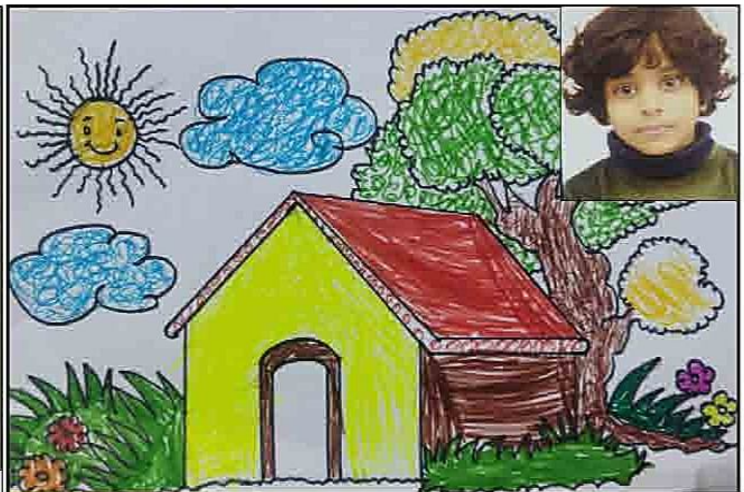

ردا فاطمہ، درجہ کے جی، اسمارٹ جونیئر اسکول، سنگم وہار، دہلی

اریبہ فاطمہ عمر خان، درجہ ہشتم
اقرا شاہین اردو ہائی اسکول مہرون، جلگاؤں، مہاراشٹر

جنید ذاکر پنجاری، درجہ ششم
ضلع پریشد اردو لڑکوں کا مدرسہ بورڈ، مہاراشٹر

صبا ابرار پٹیل، درجہ ہشتم، فاطمہ اردو پرائمری اسکول، کراڑ پورہ، اورنگ آباد، مہاراشٹر

مریم خانم بنت عابد علی خاں درجہ چہارم، الفلاح پبلک اسکول، مالیر کوٹلہ، پنجاب

شاہ تنزیلہ مشتاق درجہ ہشتم، زیڈ پی اردو اسکول، کسارے، دھولے، مہاراشٹر

اشفیہ فردوس اکرام الدین پٹیل، درجہ سوم، ضلع پریشد اردو اسکول، ہاشم پورخ، جلگاؤں، مہاراشٹر

فیاض احمد، اسسٹنٹ ٹیچر، اقبال اکیڈمی ہائی اسکول، انڈال مغربی بردوان، مغربی بنگال

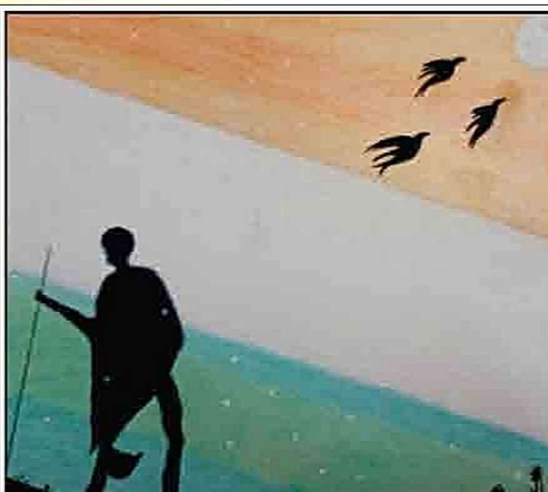

فاطمہ اعجاز پنجاری، درجہ پنجم، اینگلو اردو ہائی اسکول دوونڈائچہ سند کھیڑا، دھولیاہ، مہاراشٹر

ساحر خان رئیس خان، درجہ سوم، ضلع پریشد اردو اسکول نیم گاؤں، ناندورہ، مہاراشٹر

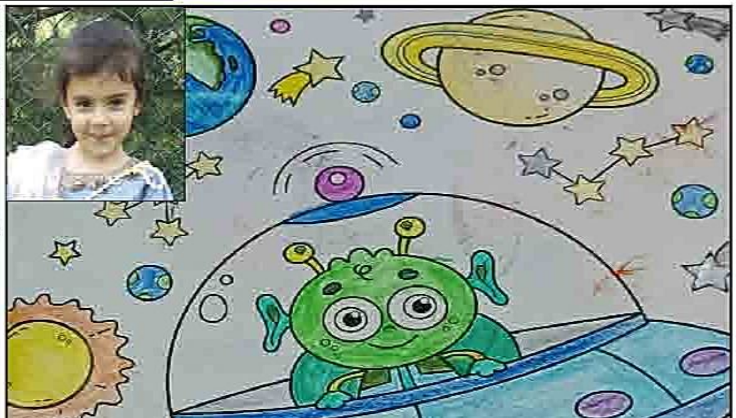

فدیلہ فیاض، درجہ اوّل، ماڈرن پبلک اسکول، سالیہ امت ناگر، کشمیر

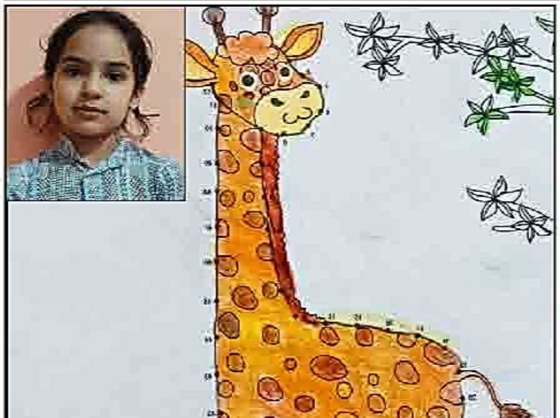

فضیلت فیاض، درجہ دوم، ماڈرن پبلک اسکول، سالیہ امت ناگر، کشمیر

ننھے منے بچوں نے بھی منایا جشن آزادی

बच्चों की दुनिया मासिक, अक्टूबर 2023, वर्ष 11, अंक 10
BACHON KI DUNIYA Monthly, October 2023 Vol. 11, Issue: 10
National Council for Promotion of Urdu Language
Ministry of Education, Department of Higher Education, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
DL(S) - 01/3439/2022-24
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/09/2023
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month
Total Pages: 64

سوچھ بھارت
ایک قدم صفائی کی جانب

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دل چسپ کتابیں

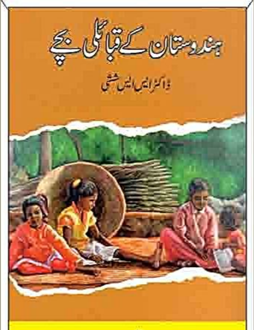

صفحات: 57 ، قیمت: 20 روپے

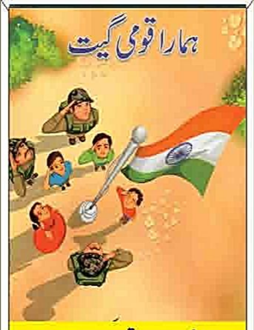

صفحات: 58، قیمت: 20 روپے

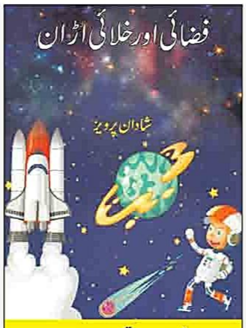

صفحات: 43، قیمت: 15 روپے

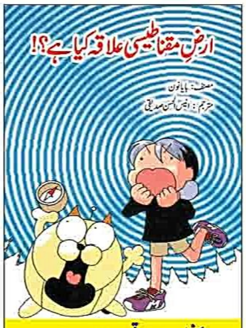

صفحات: 20، قیمت: 20 روپے

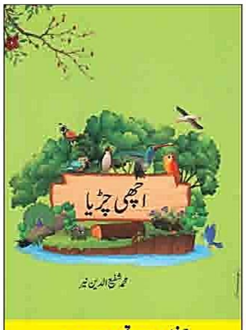

صفحات: 42، قیمت: 29 روپے

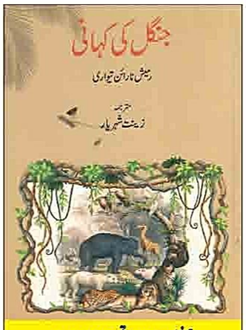

صفحات: 118، قیمت: 30 روپے

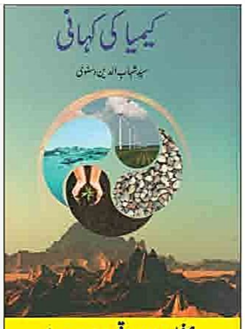

صفحات: 120، قیمت: 30 روپے

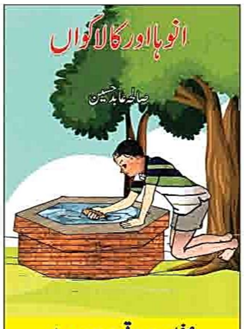

صفحات: 26، قیمت: 15 روپے

خریداری کے لیے رابطہ کریں:
شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی–110066
فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.: sales@ncpul.in

Printed and Published by Dr. Aquil Ahmad, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language,
and printed at S. Narayan and sons, B-88 Okhla Indl. Area Phase II, New Delhi - 110020
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.
LPC DELHI,DELHI PSO,DELHI RMS,DELHI-6